ہفت روزہ

ندائے خلافت

۷ / فروری ۱۹۹۴ء

☆ نظام خلافت خدائی وعدے کی تکمیل ہے۔

☆ جماعت اسلامی اور قاضی حسین احمد۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی نظر میں

☆ سوڈان کا یہ اسلامی طرز فکر ہی "دہشت گردی" ہے!

حدیث امروز

صیام و قیامِ رمضان

ہم میں سے کتنوں کو اس نعمت عظمیٰ پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے کی توفیق ہوئی ہے کہ زندگی میں ایک اور ماہ رمضان المبارک میسر آ رہا ہے جس کے دن صیام کی خوشبو سے معطر ہونگے تو راتیں قیام کے نور سے منور ہونگی۔ صیام و قیام رمضان میں کیا خوب نسبت ہے' کیسا عجیب و غریب رشتہ ہے!۔ اسے وہی لوگ سمجھ سکیں گے جو اپنے وجود حیوانی میں کسی وجود روحانی کو بھی محسوس کرتے ہیں خواہ موخر الذکر کو اول الذکر نے کتنا ہی دبا کر رکھا ہوا ہو۔

سال کے گیارہ مہینے ہم اپنے وجود حیوانی کے مطالبات پورا کرتے اور اسے پالتے پوستے ہلکان ہو جاتے ہیں جب کہ ہمارا وجود روحانی اسی انتظار میں سوکھتا رہتا ہے کہ یہ بندۂ خدا میری طرف بھی کبھی تو متوجہ ہو گا۔ بارہویں مہینے' رمضان المبارک میں روزہ ہمارے وجود حیوانی یعنی جسم فانی کو لاغر کرنے کا باعث بنتا ہے تو جس بوجھ تلے وجود روحانی سسک رہا ہے' اس میں کمی ہونے سے وہ بھی اپنی غذا کا طالب ہو جاتا ہے۔ نماز تراویح کا اہتمام اسی طلب کو پورا کرنے کی غرض سے کیا گیا تھا جو افسوس کہ طفل تسلی بن کر رہ گیا ہے کیونکہ کلام ربانی سنانے والوں کے حلق سے فراٹے بھرتے نکلتا اور سننے والوں کے ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کے ذریعے پار ہو جاتا ہے۔ قرآن کے معجزاتی مضامین دل سے نکلتے ہیں نہ دلوں میں اترتے ہیں۔ مروجہ تراویح میں قرآن سنانے اور سننے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے تو ضرور نوازیں گے کہ وہاں کونسی کمی واقع ہو جاتی ہے لیکن کیا یوں روح کی بھی سیری ہو سکتی ہے؟۔ کیا قرآن سننے کا حق ادا ہو جاتا ہے؟۔

قیام رمضان کا تقاضا اس ماہ مبارک کی راتوں کو قرآن مجید کی صحبت میں بسر کرنے سے پورا ہوتا ہے۔ اللہ کی جناب میں کھڑے ہو کر اس کلام ربانی کو قلب و ذہن کی گہرائی میں اتارنے سے روح ربانی کو وہ تقویت مل سکتی ہے جو سال بھر وجود حیوانی کے سرکش گھوڑے کو لگام دئے رکھنے کے لئے درکار ہے۔ اسی کو اقبال نے انسانی ضمیر پر نزول کتاب سے تعبیر کیا ہے۔ رمضان المبارک کی برکات سے استفادے کی خواہش رکھنے والوں کو اسی نزول کتاب کا کوئی انتظام کرنا چاہئے ورنہ سعادتوں کے اس بہتے دریا سے پیاسی روح کو چند قطرے بھی بمشکل میسر آئیں گے۔

صیام و قیام رمضان کے باہمی تعلق کو رسول اکرم ﷺ نے بہت جامع انداز میں واضح کیا اور اس خاص ربط کو پیدا کرنے کی بھی کوئی نہ کوئی شکل امت میں آج تک چلی آتی ہے جن میں سے اکثر امتداد زمانہ کے ہاتھوں بے روح رسموں میں ڈھل گئیں تاہم بحمد اللہ رجوع الی القرآن کے داعی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اللہ ہی کی بارگاہ سے خصوصی توفیق کی ارزانی ہوئی اور انھوں نے رمضان المبارک کی تراویح کو سالانہ قرآنی جشن میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ جشن اس سال بھی جامع قرآن اکیڈمی' ماڈل ٹاؤن لاہور میں پورے ماہ شباب پر رہے گا۔ ہر کلمہ گو کے لئے صلائے عام ہے۔ چلتے ہو تو چمن کو چلئے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے۔ ○○

قیمت ۵ روپے

ناظم اعلیٰ تحریک خلافت صادق آباد میں

سجاد مقصود

تحریک خلافت کے ناظم اعلیٰ جناب میجر جنرل (ریٹائرڈ) ایم ایچ انصاری ۱۸ جنوری ۹۴ء بروز منگل احباب اور تحریکی معاونین سے انفرادی ملاقات کے لئے رحیم یار خان سے صبح دس بجے صادق آباد تشریف لائے۔ اپنی آمد کے فوراً بعد پنجاب بار کونسل کے ممبر، مسلم لیگ تحصیل صادق آباد کے سابق صدر جناب میر خالد شہزاد صاحب سے ملاقات کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھ راقم کے علاوہ تنظیم اسلامی جنوبی پنجاب کے ناظم جناب مختار حسین فاروقی اور تحریک خلافت حلقہ بہاولپور ڈویژن کے ناظم مولانا مقصود احمد بھی تھے۔ میر خالد شہزاد اپنے گھر چشم براہ تھے۔ جنرل صاحب نے تنظیم اور تحریک کے حوالے سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک میر صاحب سے گفتگو کی۔ انہوں نے تحریک خلافت میں شمولیت اور طریقہ انقلاب جو تحریک اور تنظیم نے خالصتاً سنت رسول ﷺ سے اخذ کیا ہے، پر روشنی ڈالی۔

جنرل صاحب نے میر خالد شہزاد کو داعی تحریک ڈاکٹر اسرار احمد ظلہ کی کتابوں کا ایک سیٹ بھی تحفتاً کیا۔ دوپہر بارہ بجے گورنمنٹ ڈگری کالج صادق آباد کے اساتذہ کے ساتھ گفتگو کے لئے وقت طے تھا لہٰذا وہیں سے کالج پہنچے۔ پرنسپل جناب رشید احمد رنگوی نے اپنے دفتر میں مہمانوں کا استقبال کیا۔ اساتذہ سے گفتگو سے پہلے پروفیسر جناب محمد اشرف نے جنرل صاحب کا تعارف کروایا۔ انصاری صاحب نے اپنی گفتگو کے دوران اساتذہ کی توجہ پاکستانی قوم کی بے عملی، قرآن سے دوری اور دنیا میں امت مسلمہ کی ذلت و مسکنت پر روشنی ڈالی۔ جنرل صاحب نے اساتذہ سے بہت ہی درد بھرے انداز میں کہا کہ آپ قوم کے معمار ہیں۔ آپ اپنے شاگردوں کے لئے آئیڈیل ہیں۔ اگر آپ انہیں اچھا ڈاکٹر، اچھا انجینئر اور اچھا سائنسدان بنا سکتے ہیں تو آپ انہیں اچھا مسلمان کیوں نہیں بنا سکتے۔ ان کے دلوں میں قرآن کی محبت اور رسول پاک کی سنت کی اہمیت اجاگر کریں

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

اطلاعات و اعلانات

تحریک خلافت پاکستان کی مرکزی خلافت کمیٹی کا دوسرا سہ ماہی اجلاس ۸ فروری بروز منگل نماز عصر کے فوراً بعد ۴:۴۵ بجے قرآن اکیڈمی ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوگا۔ کمیٹی ممبران بروقت شرکت کا اہتمام فرمائیں۔

سیکریٹری تحریک خلافت پاکستان

تحریک خلافت پاکستان حلقہ لاہور ڈویژن کی علاقائی خلافت کمیٹی کا ایک اہم اجلاس ۵ فروری بروز ہفتہ نماز مغرب کے فوراً بعد سوا چھ بجے دفتر تحریک خلافت ۴۔ اے مزنگ روڈ لاہور میں منعقد ہوگا۔ تمام ممبران کمیٹی سے شرکت کی درخواست ہے۔

سیکریٹری تحریک خلافت حلقہ لاہور ڈویژن

تحریک خلافت پاکستان کے ناظم اعلیٰ جنرل ایم ایچ انصاری صاحب ۴ تا ۶ فروی حلقہ سرگودھا ڈویژن کا دورہ فرمائیں گے۔ وہ اپنے دورہ کے دوران ۴ فروری کو فیصل آباد، ۵ فروری کو سرگودھا اور ۶ فروری کو میانوالی کے معاونین سے خصوصی انفرادی ملاقاتیں فرمائیں گے۔

سیکریٹری تحریک خلافت پاکستان

نجیب صدیقی

کیا تاریخ اس بار پھر اپنے آپ کو دہرائے گی؟

اس دفعہ ادارتی کالم تنظیم اسلامی کے ایک بزرگ رفیق جناب نجیب صدیقی کی نذر ہے
جنہوں نے اپنی جوانی جماعت اسلامی پر نثار کی---- مدیر

قرآن نے آدم و ابلیس کا ذکر محض امر واقعہ کے طور پر نہیں کیا ہے۔ اگرچہ یہ امر واقعہ بھی ہے مگر اس میں قیامت تک کے لئے انسانوں کی رہنمائی ہے۔ اس کے بے شمار پہلو ہیں جنہیں اہل علم نے بیان کیا ہے۔ میں اس وقت صرف ایک پہلو کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

ابلیس کو جب حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرے اس نے حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اب اس کو توجہ دلائی گئی کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ہے تو نے کیوں نہیں کیا تو اس نے اس کا جواب دلیل سے دیا' حکم عدولی کی توجیح کی۔ حضرت آدم سے جب نافرمانی ہوئی تو یہی سوال ان سے بھی کیا گیا۔ حضرت آدم نے فوری اپنی تقصیر کا اعتراف کیا اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا۔ یہ دونوں واقعات قیامت تک کے لئے رہنمائی کر رہے ہیں کہ غلطی کے بعد اعتراف کرنا اور رجوع کرنا فطرت آدم ہے اور اللہ کو محبوب ہے۔ غلطی کے بعد اس پر اڑے رہنا اور اس کی مختلف توجیحات کرنا فطرت ابلیس ہے' جو غیر محمود اور قابل ملامت ہے۔

اس کسوٹی پر دن رات انسان پرکھے جاتے ہیں۔ جو لوگ فطرت آدم پر ہیں وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اپنی سمت سفر درست کر لیتے ہیں۔ جو لوگ اپنی غلطی پر اڑے رہتے ہیں وہ ابلیس کا آلہ کار بنتے ہیں اور اس سے معاشرے میں طرح طرح کی برائیاں جنم لیتی ہیں۔

جناب قاضی حسین احمد صاحب کے استعفے نے جماعت اسلامی کی تاریخ کے کئی ورق الٹ دیئے اور ذہن ماضی کے واقعات کے پس منظر میں آئندہ ہونے والے اقدامات کی صورتگری کرنے لگا۔ تقسیم ہند کے بعد جماعت اسلامی نے جب ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تو بظاہر دلیل بہت مستحکم نظر آتی تھی کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے' اس میں رہنے والوں کی عظیم اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اسلام کے حوالے سے انتخاب جیت کر ہم مختصر وقت میں اپنی منزل کو پالیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ جماعت اسلامی ایک شدید صدمے سے دوچار ہوئی۔ جماعت میں سوچنے اور سمجھنے والوں کی ایک بڑی تعداد چونک پڑی کہ ہم غلط سمت میں مڑ گئے ہیں۔ اس احساس نے شدت اختیار کی تو جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ میں اس پر گرما گرمی ہوئی۔

ارکان کی ایک بڑی تعداد نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ اس کے ازالے کے لئے مولانا مودودی مرحوم نے ایک جائزہ کمیٹی خود اپنی پسند سے بنائی۔ جس نے تمام ارکان کی رائے معلوم کی۔ فرداً فرداً ملاقات کے بعد جو رپورٹ پیش کی گئی وہ مولانا مرحوم کے منشاء کے خلاف تھی۔ لہٰذا وہ بپھر گئے اور اپنی شخصیت کا "کارڈ" کھیلنے کا فیصلہ کر لیا۔ ارکان جماعت مولانا مودودی مرحوم سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ ان کی سحر انگیز شخصیت سے مسحور بھی تھے۔ ارکان جماعت مولانا محترم کو قربان کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ مولانا کا استعفیٰ جس کی حیثیت "ترپ" کے پتے کی تھی فائق ہو گیا۔ ذہین افراد کی ایک بڑی تعداد آہستہ آہستہ اس ٹرین سے اتر گئی جس کی سمت سفر تبدیل ہو چکی تھی۔

آج بھی کم و بیش وہی نقشہ نظر آ رہا ہے۔ جناب قاضی حسین احمد صاحب کی شخصیت کی تعمیر میں برس ہا برس لگے ہیں۔ ایک منصوبے کے تحت ان کی شخصیت کو ابھارا گیا ہے۔ ان سے عقیدت پیدا کی گئی' پاسبان کے جیالوں نے انہیں اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ ان کی شخصیت اس قدر محبوب بنا دی گئی کہ جب وہ ایک جلسہ میں شرکت کے لئے کراچی کے نشتر پارک میں تشریف لائے تو ان کی جیپ کو نوجوانوں نے اپنے کندھوں پر اٹھا کر اسٹیج تک پہنچایا۔

عراق کے خلاف امریکہ کے جارحانہ اقدامات کو قاضی صاحب نے خوب خوب استعمال کیا۔ اس جذباتی "ایشو" پر اتنا آگے نکل گئے کہ اپنے دیرینہ محسن سعودی عرب کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ اسلامی فرنٹ ان کا "climax" تھا۔ اگر یہ فرنٹ اچھا رزلٹ دے جاتا تو آج قاضی صاحب ان لوگوں کی آنکھ کے تارا بھی ہوتے جو آج ان کے خلاف صف آراء ہیں۔

یہ بحران بھی عارضی ثابت ہو گا۔ مولانا مودودی مرحوم کی حکمت عملی آج بھی کامیاب ہو گی۔ اس حکمت عملی کے تحت پہلے بھی کچھ لوگوں کی قربانی دینی پڑی تھی اور اب بھی ایسا ہی ہو گا۔ وہ لوگ جو آج قاضی صاحب کی پالیسی کے خلاف ہیں اپنا بوریہ بستر سمیٹ لیں گے اور پھر "قاضی آئیگا" جماعت اسلامی کی سربراہی کے لئے آئے گا---- قائم مقام امیر جماعت نے فرما دیا ہے کہ پالیسی وہی رہے گی تو پھر استعفے کا "ناٹک" کیوں رچایا جا رہا ہے۔

غلطی کا اعتراف کر کے اپنی شخصیت کو کیوں مجروح کیا جائے' بلکہ اپنی شخصیت کے زور پر غلطی کو صحیح ثابت کیا جائے۔ مرکز کی طرف سے پہلے بھی یہی تین نام امارت کے لئے تجویز کئے گئے تھے اور آج بھی وہی نام سامنے ہیں۔ ارکان جماعت نے قاضی صاحب کی فعالیت کو بچشم سر دیکھا ہے۔ قاضی صاحب کی حیثیت اصل "بات" کی ہے--- "پاسنگ" ان کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔

ارے یہ اہل سیاست ہیں ان کی مت پوچھو وہی کریں گے یہ بعد از خرابی بسیار

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۳ شمارہ 6
۷ / فروری ۱۹۹۴ء

3

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

مرکزی دفتر: ۹۷۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقام اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۳ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۰ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۶ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ " "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات ۱۸۰ تا ۱۸۲)

تم پر فرض کیا گیا ہے' جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آپہنچے اور وہ کچھ مال چھوڑ رہا ہو' وصیت کرنا والدین کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے معقول طریقہ پر۔ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر○

(کہ تقسیم وراثت کے ضمن میں یہ آیت مبارکہ ابتدائی حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ اس ضمن میں آخری اور تفصیلی حکم بعد میں سورۃ النساء میں نازل ہوا۔ عرب معاشرے میں جو غلط چیزیں رواج پا گئی تھیں ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ مرنے والے کا تمام مال صرف اس کے بیٹوں کو ملتا تھا اور بقیہ وارث محروم رہتے تھے۔ اس کے تدارک کے لئے ابتداء یہ حکم نازل ہوا کہ مرنے والا اگر کچھ ترکہ چھوڑ کر جائے تو اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت کر جائے تاکہ اس کے مطابق انہیں اس کے ترکے میں سے حصہ دے دیا جائے۔ سورۃ النساء میں جب احکام میراث نازل ہو گئے اور تمام وارثین کا حصہ معین ہو گیا تو وصیت کا حق صرف ایک تہائی مال میں باقی رکھا گیا' بقیہ تمام مال اس نصاب کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا جس کا تعین سورۃ النساء میں کر دیا گیا ہے)

تو جو لوگ اس وصیت کو اس کے سننے کے بعد بدل ڈالیں تو اس کا گناہ ان بدل ڈالنے والوں ہی پر ہے۔ یقیناً اللہ سننے والا' علم رکھنے والا ہے○

(کہ اگر مرنے والے نے صحیح طور پر وصیت کر دی تھی لیکن بعد میں تقسیم کرنے والوں نے اس میں کوئی ردو بدل کیا تو مرنے والے پر کوئی الزام نہیں ہے' اس بے انصافی کا سارا الزام تقسیم کنندگان کے سر ہے جو اپنے گناہ کی سزا بھگت کر رہیں گے' اللہ ہر بات کا سننے والا اور ہر شے کا علم رکھنے والا ہے)

حافظ عاکف سعید

پھر جس کسی کو اندیشہ ہو وصیت کرنے والے کی طرف سے جانب داری یا حق تلفی کا اور وہ آپس میں صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں' بلاشبہ اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے○

(ہاں اگر مرنے والے کے بارے میں یہ بدگمانی پیدا ہو جائے کہ اس نے دانستہ یا نادانستہ طور پر وصیت میں جانبداری برتی ہے اور کسی جائز وارث کی حق تلفی کی ہے تو کوئی اگر بیچ میں پڑ کر ورثاء کے مابین تصفیہ کرا دے تو یہ ہرگز کوئی گناہ کی بات نہیں' وصیت میں اس نوع کا تغیر و تبدل جائز ہی نہیں پسندیدہ بھی ہے!)

جوامع الکلم

اے لوگو' تم پر سایہ فگن ہو چکا ہے ایک عظیم مہینہ۔ وہ مہینہ کہ جو نہایت بابرکت ہے' وہ مہینہ کہ جس میں ایک رات ایسی بھی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ مبارک کے دنوں میں روزہ رکھنا فرض اور اس کی راتوں میں قیام کو نفل عبادت قرار دیا ہے۔

(یہ آنحضور ﷺ کے ایک نہایت جامع خطبے کے ابتدائی الفاظ ہیں جو آپ نے شعبان کے آخری دن ارشاد فرمایا تھا۔ ماہ رمضان کی عظمت' روزوں کی فرضیت اور قیام اللیل---جس کی مزید وضاحت بعض دیگر احادیث سے ہوئی ہے کہ محض قیام نہیں' قرآن کے ساتھ قیام---- کی اہمیت و فضیلت کے بیان میں آنحضور ﷺ کے یہ الفاظ جوامع الکلم کا درجہ رکھتے ہیں۔)

(شعب الایمان للبیہقی بروایت حضرت سلمان فارسیؓ)

عالم اسلام میں تشدد کی تحریکیں

کمیونسٹ تخریب کاری کے وارث اسلامی عناصر کیوں؟

تشدد اور فساد ایک مخصوص ذہنی رویے کی پیداوار ہے

عبدالکریم عابد

عالم اسلام میں ہر طرف تشدد کی نئی نئی تحریکیں سر اٹھا رہی ہیں' اس طرح کی تحریکیں پہلے بھی چلتی رہی ہیں لیکن گوریلا جنگ کے مارکسی فلسفوں کے تحت یا غیر ملکی سامراج کے مقابلے میں ان کی نوعیت قوم پرستانہ جنگوں کی تھی مگر اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مرنے مارنے والے گروپ اسلام کا نام استعمال کر رہے ہیں۔ شخصی طور پر اسلام سے ان کی وابستگی بھی منافقانہ نہیں' مخلصانہ ہے اور ان کا شمار باعمل اور کٹر مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ باعمل اور کٹر مسلمان دوسرے بھی ہیں مگر جن لوگوں کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں وہ تشدد اور مار دھاڑ کی سیاست کو جائز سمجھنے والے گروہ ہیں۔ ان سب گروہوں کا جائزہ لے کر دیکھنا اور سمجھنا ہو گا کہ یہ کیا ہیں اور ان کے ذریعے اسلام کی کیا خدمت ہو سکے گی؟

عالم عرب میں یہ تحریکیں زیادہ نظر آتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے بد ترین ملوکیت یا بے رحمانہ آمریت کے ذریعے آئینی اور جمہوری جدوجہد کے راستے مسدود کر دیئے تھے جس کے نتیجے میں خفیہ تنظیموں اور تحریکوں کا آغاز ہوا۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ غیر ملکی سامراج نے مسلمان حکمرانوں کے مقابلے میں سیاست' صحافت اور معیشت کو زیادہ آزاد ماحول فراہم کیا۔ وہ جماعتیں بنانے' جلسے جلوس منعقد کرنے' صدائے احتجاج بلند کرنے اور مطالبات پیش کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ برطانیہ کا رویہ اس معاملہ میں فرانس سے بہت بہتر تھا اور وہ اپنے مقبوضات میں جتنا جتنا اصلاحات نافذ کرتا رہا لیکن آزادی کے بعد عالم عرب میں مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں نے آزادی بالکل ہی سلب کر لی۔

مصر شام وغیرہ میں جو پارلیمانی نظام تھا وہ فوجی آمروں کے سامنے دم توڑ گیا اور آمرانہ ماحول میں اسلامی تحریکوں کا جمہوری طریقے پر ارتقا نہیں ہو سکا۔ دوسری طرف غیر ملکی سامراج اپنے مفادات کے لئے آمروں کے طلب گار تھے اور امریکہ روس دونوں نے اپنے اپنے آمروں کو تقویت دی۔ اسی طرح داخلی اور خارجی حالات آمریت کے حق میں تھے۔ اس پس منظر میں اخوان المسلمون نے سوچا کہ فوجی جوڑ توڑ میں شامل ہو کر انقلاب لایا جا سکتا ہے جس کے لئے جنرل نجیب سے معاملہ ہوا۔ وہ مصر میں برسر اقتدار آئے مگر ناصر نے نجیب کو ہٹا دیا اور تنہا خود طاقت بن گئے۔ انہوں نے پوری بے رحمی کے ساتھ اخوان کو کچلا۔ عراق شام میں بھی حکمران بعث پارٹی کے کلمہ گو تھے اور انہوں نے اخوان کو کچلنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

جہاں تک بادشاہوں اور شیوخ کی مملکتوں کا تعلق تھا' ان میں بھی تبدیلی کے لئے کوئی آواز نہیں اٹھ سکتی تھی۔ اردن میں ایک جمہوری پارلیمانی نظام تھا اور شاہ چاہتے تھے کہ یہ نظام چلے لیکن بار بار ان پر قاتلانہ حملے کئے گئے اور حکومت کا تختہ الٹنے کی کوششوں کے نتیجے میں سیاسی نظام ختم کر دیا گیا جو اب نئے سرے بحال ہوا ہے۔ اردن کے لئے فلسطینی آبادی مسئلہ ہے' فلسطینیوں کو ان کے عرب اور فلسطینی رہنما ایک عرصہ سے نعروں کی گھن گرج اور جذبات کے زور و شور پر زندہ رکھے ہوئے تھے' ان فلسطینیوں کے مختلف گروپوں کی گوریلا جنگوں اور خاص طور پر تحریک انتفاضہ کی بڑی قربانیاں ہیں مگر اب فلسطینی محسوس کرتے ہیں کہ سب کچھ رائیگاں گیا۔ اس مایوسی نے ایک گروہ کو ہر طرح کی مصالحت قبول کرنے پر آمادہ کیا ہے تو دوسرے گروہ مشتعل ہو کر مرنے مارنے پر تل گئے ہیں اور انہیں اس وقت شام اور ایران کی حمایت حاصل ہے۔ پہلے بھی لبنان میں شام اور ایران کی حمایت سے مختلف فلسطینی تنظیمیں سرگرم کار رہی ہیں اور اسرائیل کی سرحد پر ان کی جھڑپیں جاری ہیں۔

افریقہ کا معاملہ یہ رہا کہ وہاں فرانس' پرتگال اور اٹلی وغیرہ کے سامراج برطانیہ کی طرح دور اندیش نہیں تھے۔ انہوں نے آزادی کی تحریکوں کو وحشیانہ طور پر کچلا اور جب یہ گئے تو ان کے جا نشین حکمرانوں نے بھی اپنے ہم قوم افراد کی غلامی اور جبر کے بندھنوں میں اضافہ کیا جس کی وجہ سے وہاں بھی قبائل نے جو ہتھیار انہیں میسر تھے وہ اٹھائے اور جنگ

کی۔ بعد میں سوپر پاورز کی طرف سے جدید اسلحہ اور اس کے استعمال کی تربیت بھی کی جس کا نتیجہ ہے کہ آج صومالیہ میں ہر شخص کے پاس ہتھیار تو ہے' اناج نہیں اور وہ اناج ہتھیاروں کے زور پر ہی چھینتا ہے۔ یہی صورت سارے افریقہ کی ہے' کہ ہتھیار عام ہو گئے ہیں اور اس کی وجہ سے خانہ جنگی نے بڑے پیمانے پر تباہی برپا کی اور یہ خانہ جنگی ختم ہوتی نظر نہیں آتی ہے۔

برصغیر میں ایک زمانے میں خیال تھا کہ انگریز کو لڑ کر نکالا جاسکتا ہے یا زار روس قیصر جرمنی وغیرہ کے ساتھ کوئی معاملہ کر کے افغانستان کے راستے بڑا لشکر لاکر آزادی چھینی جاسکتی ہے مگر یہ سارے خیالات بہت جلد غلط ثابت ہو گئے اور ان خیالات کا مرکز دیوبند اس سے تائب ہو کر گاندھی کے فلسفہ عدم تشدد کا حامی ہو گیا۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کا کہنا تھا کہ ہم گاندھی کے مشکور ہیں کہ انہوں نے ہمیں دور نبویؐ کا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا جو عدم تشدد پر مبنی ہے۔ قائد اعظم کی سیاست بھی آئینی ضابطوں کی تابع تھی۔ انہوں نے کانگرس کے ستیہ گرہ وغیرہ کے غیر آئینی طریقوں کو بھی پسند نہیں کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ آئینی جدوجہد کے ذریعہ پاکستان حاصل کر کے قوم کو آئینی مزاج دیں لیکن گاندھی کے عدم تشدد اور قائد اعظم کی آئین پسندی کے باوجود برصغیر میں انسانی تاریخ کے بھیانک فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ ان فسادات میں عورتوں بچوں تک کو نہیں چھوڑا گیا۔ ہندو فسادیوں نے اپنے فساد کو یدھ اور مسلمان فسادیوں نے اسے جہاد قرار دیا۔ پہلے پہل اس جنگ میں چاقو چھرا گھونپنے کی وارداتیں ہوتی تھیں' پھر سوڈا واٹر کی بوتلوں کا استعمال ہونے لگا اور آخر میں پوری پوری آبادیاں تہ تیغ کی گئیں یا قتل و غارتگری کی زد میں آئیں۔ اس کے بعد بھی تشدد کی ذہنیت ختم نہیں ہوئی' اس کا اظہار بھارت پاکستان کے لسانی فسادات میں ہوتا رہا۔ بمبئی شہر کے مسئلے پر فساد نے یہ شکل اختیار کی کہ مرہٹوں نے سڑکوں پر گجراتی عورتوں کی آبروریزی کی۔ آندھرا صوبہ کے مطالبے پر فسادات کے بعد نہرو کو ہندوستان میں لسانی صوبے قائم کرنے کا اعلان کرنا پڑا حالانکہ وہ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ لسانی صوبے ملک کو توڑنے کے مترادف ہیں اور یہ میری نعش پر ہی قائم ہو سکتے ہیں مگر انہیں فسادات کو روکنے کے لئے لسانی صوبوں کے قیام کا اعلان کرنا پڑا۔ مکمل بائی تحریک بھارت کے شمال اور جنوب دونوں میں آج بھی ایک بڑا مسئلہ ہے اور حکومت تشدد پسندوں کو کچلنے میں ناکام رہی ہے جبکہ پنجاب اور کشمیر میں تشدد کی آگ اب بین الاقوامی سطح پر موضوع بحث ہے۔

پاکستان میں کمیونسٹوں نے صوبوں میں علیحدگی کی جنگیں چلائیں مگر یہ سرحد بلوچستان کے مخصوص علاقوں سے آگے نہیں نکل سکیں اور جلد دم توڑ گئیں مگر چینی کمیونزم کے فلسفہ کے تحت جلاؤ گھیراؤ کی تحریکوں نے ڈھاکہ سے کراچی تک افراتفری پیدا کی لیکن یہ تحریکیں حقیقی نہیں تھیں۔ ان کے پیچھے خفیہ اداروں کا ہاتھ تھا جو ایوب خان کو نکالنا چاہتے تھے۔ ہشت نگر میں کسانوں کی بغاوت کی تحریک بھی انٹیلی جنس کی طرف سے تھی اور یہ نیپ کا زور توڑنے کے لئے تھی جو بھٹو کے مقابلے پر آ گئے تھے۔ مجموعی طور پر پاکستانی قوم نے تشدد پسندی کو مسترد کیا لیکن آج کل فرقہ وارانہ تشدد کی لہر چل رہی ہے۔ شمالی علاقہ جات کے علاوہ پنجاب میں بھی یہ لہر طاقتور دکھائی دیتی ہے اور فرقہ وارانہ جماعتوں کو نیا زور حاصل ہو گیا ہے جو ایک خطرناک علامت ہے۔

اس سارے جائزے کے بعد اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ عالم اسلام میں تشدد کی تحریکیں ظلم و جبر کے رد عمل کی پیداوار ہیں مگر ان تحریکوں نے کوئی مثبت کام نہیں کیا بلکہ جو مثبت کام ہوا تھا' اس پر بھی یہ تحریکیں پانی پھیرتی نظر آرہی ہیں۔ مصر اسلامی دنیا کا اہم عالمی مرکز رہا ہے' اس میں اسلامی تحریک کے بڑے بڑے قابل رہنما پیدا ہوئے مگر اب اخوان المسلمون پیچھے چلی گئی ہے' ٹکڑوں میں بھی بٹ گئی ہے اور نئی نئی جماعتوں کے نام سننے میں آرہے ہیں جو عیسائیوں کے ساتھ فرقہ وارانہ فساد میں لگی ہیں یا غیر ملکیوں کو قتل کر رہی ہیں یا آزاد خیال ادیبوں اور صحافیوں کو جہنم واصل کیا جا رہا ہے۔

یہ طریقہ خواہ اس کے جواز میں کچھ بھی کہا جائے' اسلامی تحریک کا نہیں ہو سکتا اور ممکن ہے کہ ان واقعات کے پیچھے خود امریکی سی آئی اے ہو اور وہ ان پر اس کے ذریعے مسلمان ملکوں کو نئے عدم استحکام سے دوچار کر کے اسلام کو بھی بدنام کرنا چاہتی ہو۔ اس طرح خانہ کعبہ میں بھی ہنگامہ آرائی' الہجرہ و تکفیر یا ایرانیوں کی جانب سے ہوتی رہی ہے اس کو بھی اسلامی جدوجہد کا طریق کار نہیں کہا جاسکتا ہے۔ مقبوضہ علاقہ میں اسرائیلی مظالم قابل مذمت ضرور ہیں لیکن ان مظالم کی وجہ سے کسی اسرائیلی بچے عورت یا مرد کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ اسلام نہ تو اس طرح کی قاتلانہ وارداتوں کی اجازت دیتا ہے نہ ایسے بم کے دھماکوں کی جس کی زد میں بے گناہ لوگ آئیں۔ یہ تخریبی طریقے کمیونسٹوں کے تھے اور انہی کے ساتھ ختم ہو جانے چاہئیں۔ ان کا وارث کسی جگہ کی بھی اسلامی تحریک کو نہیں بننا چاہیے۔

بے شک اسلام میں جہاد ہے اور دعوت کے تمام مراحل سے گزرنے کے بعد یہ آخری مرحلہ آتا ہے لیکن آخری مرحلے کو پہلا مرحلہ نہیں بنایا جاسکتا اور جہاد کے عنوان سے مسلمان معاشرہ میں آپس کی خون ریزی تو کسی طرح سے بھی جائز نہیں ہے اور ہمیں یہ اسلامی تعلیم نہیں بھولنی چاہیے کہ ایک بے گناہ فرد کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ آج افغانستان میں یا افریقہ کے چند ممالک میں جو خون ریزی ہم دیکھ رہے ہیں' وہ عصبیت جاہلیہ کا نتیجہ ہے اور یہ تمام جنگیں جاہلیت کی جنگیں ہیں' ان کو جہاد کا مقدس نام دینا فقط جہاد سے زیادتی ہے۔

تشدد کی تحریکیں عملی شکل بعد میں اختیار کرتی ہیں پہلے ذہنوں میں رویوں میں تشدد پیدا ہوتا ہے' رواداری مفقود ہوتی ہے' نفرت پرورش پانے لگتی ہے' ایک دوسرے کو مٹا دینے کی خواہش ہوتی ہے اور اس متشددانہ ذہنیت سے متشددانہ رد عمل پیدا ہوتا ہے۔ پاکستان میں متشددانہ ذہنیت اب عام ہے۔ اگلا مرحلہ تشدد کی تحریکوں یا خانہ جنگی کا ہو سکتا ہے اس لئے ابھی سے خبردار اور ہوشیار ہو جانا چاہیے اور ذہن و مزاج سے تشدد کی بیماری کے جراثیم ختم کرنے کی فکر کرنی چاہیے ورنہ ہمارے ملک میں بھی تشدد عام ہو جائے گا۔ ابھی تک ہم نے کلاشنکوف کلچر کی صرف ایک جھلک دیکھی ہے۔ خدا نہ کرے کہ یہ کلچر ہی ملک کا کلچر بن جائے۔ ایسا ہو گیا تو سب کچھ غارت سمجھئے۔ OO

بقیہ میں بھی حاضر تھا وہاں

پر غور و فکر کرتے ہیں تو دیگر اسباب کے علاوہ طریق انقلاب پر بھی غور و فکر ضروری ہے۔

جماعت اسلامی کا المیہ یہ ہے کہ اس نے اس باب کو ہمیشہ کے لئے گویا بند کر دیا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا اجتماع کے دوران سوالات و جوابات کی نشست کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ ممتاز پارلیمنٹیرین جناب لیاقت بلوچ جو جماعت اسلامی لاہور کے امیر بھی ہیں' سوالات کے جوابات دے رہے تھے۔

(باقی آئندہ)

جماعت اسلامی اور قاضی حسین احمد ۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی نظر میں

یوں نہ تھا' میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے

کاش جماعت کو بھولی ہوئی منزل بھی کبھی یاد آنے لگے!

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان کی یہ تحریر روزنامہ جنگ کے دو ہفت وار کالموں میں تقسیم ہو کر شائع ہوئی ہے جسے یہاں نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ہمارے قارئین کے پاس بھی آج کل کے گرم موضوع پر امیر محترم کا نقطہ نظر موجود رہے اور وہ اخبارات کو سنبھال کر رکھنے کی ضرورت سے بے نیاز ہو جائیں۔۔۔۔ادارہ

ویسے تو یہ بات پہلے بھی کچھ ڈھکی چھپی نہیں تھی' لیکن اب جماعت اسلامی کی امارت سے قاضی حسین احمد کے استعفے کے خط نے تو اس حقیقت کو بالکل ہی طشت از بام کر دیا ہے کہ قاضی صاحب کی حمایت اور مخالفت کی شدت نے جماعت کو بری طرح تقسیم کر دیا ہے۔ اور یہ پولارائزیشن جماعت کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ' اور عام ارکان اور کارکنان کے حلقوں سے بھی شدید تر کیفیت کے ساتھ جماعت کے ہمدردوں' بہی خواہوں' اور "سرپرستوں" کے حلقوں میں پائی جاتی ہے---- تاہم جب یہ بات میرے علم میں پہلی بار آئی تھی کہ جماعت کے حامیوں اور ہمدردوں کے ایک حلقے میں انہیں "جماعت اسلامی کا گورباچوف" قرار دیا جا رہا ہے تو بہت حیرت ہوئی تھی۔ اور اگرچہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ لفظ سب سے پہلے جماعت اسلامی کے قدیمی اور روائتی مخالف خان عبدالولی خان نے استعمال کیا تھا' تاہم میرے علم میں یہ لفظ جس گفتگو کے حوالے سے آیا اس میں چونکہ کچھ تذکرہ میرا بھی تھا' لہٰذا آج کی صحبت میں اسی کے ضمن میں کچھ وضاحتی گزارشات پیش خدمت ہیں۔

اس گفتگو کے راوی ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کی قائم کردہ "آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس" کے موجودہ مدارالمہام چودھری مظفر حسین صاحب ہیں۔ (میں تقریباً ڈھائی ماہ ملک سے باہر گزار کر وسط اکتوبر ۹۳ء میں واپس وطن آیا تھا۔ اور یہ گفتگو اس کے دو تین ہفتے بعد یعنی اواخر نومبر یا اوائل دسمبر کی ہے۔) چودھری صاحب راوی ہیں کہ جماعت اسلامی کے بعض وابستگان اور احباب کی ایک ایسی محفل ہیں' جس میں قاضی صاحب کے مخالفین جمع تھے' کسی صاحب نے اس ناچیز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "ڈاکٹر صاحب کے دل میں تو قاضی صاحب کے لئے بڑا نرم گوشہ محسوس ہوتا ہے!" جس پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے صاحب نے کہا: "ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ قاضی صاحب جماعت اسلامی کے گورباچوف ہیں!" جس پر پوری محفل زعفران زار بن گئی۔

یہ گفتگو خواہ لائٹ موڈ ہی میں ہوئی ہو بہرحال کچھ لوگوں کے ان خیالات کی ترجمانی یا کم از کم غمازی کرتی ہے کہ: (۱) میں جماعت کا مخالف اور بدخواہ ہوں۔ اور (۲) قاضی صاحب کے بارے میں اچھی رائے اس لئے رکھتا ہوں کہ ان کے ہاتھوں دانستہ یا نادانستہ طور پر جماعت اسلامی سوویٹ یونین کے سے حشر کے ساتھ دوچار ہو رہی ہے!

ان میں سے جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے' یہ مجھ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ میں جماعت اسلامی کی قیام پاکستان کے بعد کی پالیسی کے ایک جزو سے یقیناً شدید اختلاف رکھتا ہوں' اور اسی کی بنا پر ۱۹۵۷ء میں جماعت کی رکنیت سے مستعفی بھی ہوا تھا' لیکن جماعت کا "مخالف یا بدخواہ" نہ میں پہلے کبھی تھا نہ اب ہوں۔ بلکہ میرے قریبی احباب اور رفقائے کار اس سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اکتوبر ۹۳ء کے انتخابات میں جو "حشر" پاکستان اسلامک فرنٹ کے عنوان سے جماعت اسلامی کا ہوا ہے اس کی بنا پر میں ایک شدید صدمے کی سی کیفیت سے دوچار رہا ہوں۔ اگرچہ یہ صدمہ انتخابات میں شکست فاش کا نہیں' بلکہ اس بات کا ہے کہ دل کے ایک گوشے میں جو امید اب تک کسی درجہ میں برقرار تھی کہ شاید ع "کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو!" کے مصداق جماعت اپنے سابقہ طریق کار کی جانب مراجعت کر لے' اس نے ع "اڑے اڑتے دور افق پر آس کا پنچھی ڈوب گیا!" کے سے انداز میں دم توڑ دیا۔ اس لئے کہ ایک تو جماعت شدید انتشار اور خلفشار سے دوچار ہو گئی' چنانچہ "بنیان مرصوص" تو کجا وہ "ون پیس" بھی نہ رہی' اور دوسرے اس نے اپنی انتخابی مہم کے دوران جو گھٹیا اور بازاری' اور دینی اعتبار سے صرف مکروہ ہی نہیں حرام مطلق طور طریقے اختیار کئے ان کے باعث اپنے دینی اور مذہبی تشخص کو تو بالکل ع "میرے اسلام کو اک قصہ ماضی سمجھو!" کے سے انداز میں خیرباد کہہ دیا! رہی یہ بات کہ وہ اس کے باوجود لیلائے اقتدار کے ساتھ ع "ہنس کے وہ بولی کہ پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو!" کے مصداق ہمکنار نہ ہو سکی' تو یہ "خسر الدنیا والاخرہ" کی منہ بولتی تفسیر ہے۔ جس پر سوائے "انا للہ وانا الیہ راجعون!" پڑھنے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے!

بہرحال اس ضمن میں میں اس وقت کوئی نئی بات کہنے کی بجائے اپنی اب سے لگ بھگ بارہ برس قبل کی ایک تحریر نقل کر رہا ہوں جو ایک خط کی صورت میں ہے جو اس وقت کے امیر جماعت میاں طفیل محمد صاحب کے نام لکھا گیا تھا' اور ماہنامہ "میثاق" لاہور کی جولائی ۸۲ء کی اشاعت میں بھی شائع ہو گیا تھا اور اب "تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب" نامی تالیف میں بھی صفحات ۳۲۵ تا ۳۲۷ پر مطبوعہ موجود ہے۔ وہو ہذا:

"محترمی و مکرمی میاں صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'!

مزاج گرامی!

مسلمان معاشرے میں خواتین کے فرائض اور دائرۂ کار کے بارے میں میری ایک رائے کے خلاف جو مظاہرہ کراچی کی کچھ مغرب زدہ خواتین کی جانب سے ہوا تھا اس پر آپ کا جو مومنانہ رد عمل سامنے آیا اور میرے ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" کو جاری رکھنے کا جو پر زور مطالبہ آپ نے کیا اس پر میری جانب سے ہدیہ تشکر قیم تنظیم اسلامی قاضی عبدالقادر صاحب نے آپ کو پہنچا دیا تھا اور اس پر آپ کا جواب بھی جناب اسلم سلیمی صاحب کی وساطت سے مجھے مل گیا تھا۔ یعنی یہ کہ آپ نے جو کچھ کیا صحیح دینی کے جذبے کے تحت اور اپنا فرض سمجھ کر کیا جس پر کسی شکریئے کی آپ کو ضرورت نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ بھی آپ کے خلوص و اخلاص ہی کا مظہر ہے! (حال ہی میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے ایک بزرگ رفیق کار شیخ جمیل الرحمٰن صاحب نے بھی آپ کو شکریئے کا خط لکھا تھا اور ان کے نام جوابی خط میں بھی آپ نے ان ہی جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔)

میرے اس عریضے کی تحریر کا اصل محرک آپ کی اس تقریر کی اخباری رپورٹ ہے جو آپ نے پچھلے دنوں لاہور میں "تعلیم القرآن کانفرنس" میں کی تھی جس میں اس اخباری اطلاع کے مطابق آپ نے جملہ مسلمانان پاکستان کو دعوت دی تھی کہ وہ اسلام اور قرآن کی اساس پر متحد ہو جائیں ..... اس ضمن میں میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ اخباری اطلاع درست ہے تو آپ کے پاس اس اتحاد کے لئے تفصیلی پروگرام کیا ہے؟ اور آیا اس سے مراد کالعدم جماعت اسلامی (واضح رہے کہ اس زمانے میں سیاسی جماعتوں پر عمومی پابندی کے نتیجے میں جماعت اسلامی بھی' اگرچہ فی الواقع بہت فعال' تاہم قانونی طور پر "کالعدم" تھی) میں شمولیت کی دعوت ہے؟ یا یہ کسی وسیع تر دینی اتحاد کی پیشکش ہے؟ اور اگر یہ وسیع تر دینی اتحاد کی دعوت ہے تو بالفرض اگر میں آپ کی اس پکار پر لبیک کہوں تو ایک طرف مجھے کیا تقاضے پورے کرنے ہوں گے اور آپ کی مجھ سے توقعات کیا ہوں گی' اور دوسری طرف اس مجوزہ "تعاون علی البر والتقوی" کے ضمن میں اشتراک عمل کے لئے کون سا میدان کار آپ کے سامنے ہے؟

میں چونکہ یہ سوال محض سر راہے' یا بر سبیل شغل نہیں کر رہا ہوں بلکہ اس میں پوری طرح سنجیدہ ہوں لہٰذا --- اس کے باوصف کہ میرا گمان ہے کہ تحریک اسلامی کے قائد ہونے کے ناطے آپ ان امور سے ناواقف نہیں ہوں گے --- تاہم اپنے بارے میں چند وضاحتیں کئے دیتا ہوں:

(۱) مولانا مودودی مرحوم و مغفور کے مجموعی دینی فکر میں دین کے باطنی عنصر (یعنی وہ Esoteric Element جو عام طور پر "تصوف" کے عنوان سے جانا پہچانا جاتا ہے) کی کمی کو شدت کے ساتھ محسوس کرنے کے باوجود دین کا جو انقلابی اور تحریکی تصور انہوں نے پیش فرمایا اور خصوصاً فرائض دینی کی جو نشان دہی انہوں نے کی اس کا میں نہ صرف یہ کہ پوری طرح قائل ہوں بلکہ اپنی بساط بھر اس پر عامل بھی ہوں --- فللہ الحمد!!

(۲) جماعت اسلامی کی قبل از تقسیم ہند پالیسی کو مجموعی اعتبار سے میں آج بھی صحیح سمجھتا ہوں۔ البتہ جماعت اسلامی پاکستان کی بعد از تقسیم پالیسی کو میں صرف غلط ہی نہیں سابقہ موقف سے انحراف کا مظہر سمجھتا ہوں..... اور اپنی مقدور بھر کوشش اس امر کی کر رہا ہوں کہ اس سابقہ نہج پر ایک تحریک دوبارہ اٹھے۔ اور اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے اور تحریکیں روز روز نہیں اٹھا کرتیں لیکن اپنے شعور فرض کے مطابق کوشش کرتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کر دینے میں' میں کامیابی کی واحد صورت مضمر دیکھتا ہوں۔ لہٰذا جیسے تیسے کوشش میں لگا ہوا ہوں تاکہ اور کچھ نہیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور "معذرت" تو پیش کر سکوں!

(۳) میں دیکھ رہا ہوں کہ ثلث صدی کی سیاسی جدوجہد کے حاصل اور دوبار کے شدید مایوس کن اور تلخ تجربوں کے بعد اب جماعت کا مجموعی رخ سیاست سے دعوت و تبلیغ کی طرف مڑ رہا ہے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اس تبدیلی میں انقلابی رنگ شعوری اور واضح طور پر اجاگر نہ ہوا تو یہ تبدیلی مفید نہیں بلکہ مضر ہوگی۔ اور اس انقلابی رنگ کو شعوری اور واضح طور پر از سر نو اجاگر کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ سابقہ غلطی کا واضح اور برملا اعتراف و اعلان ہو ..... اور یہی وہ اصل مشکل ہے جس کے حل کی کوئی امید نہیں' بقول اقبال ع "منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں!" تاہم اس سب کے باوجود ..... اگر کسی وسیع تر دینی اتحاد اور اشتراک عمل کا کوئی واضح پروگرام آپ کے سامنے ہو تو ان شاء اللہ العزیز آپ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس ضمن میں "انا اول المسلمین" کی سی شان کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے پائیں گے!!

اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے کسی گفتگو یا تبادلہ خیال کی ضرورت محسوس فرمائیں تو بلا جھجک جب چاہیں طلب فرمالیں' میں بخوشی حاضر ہو جاؤں گا۔ فقط والسلام

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ"

اپنے اس خط پر اس وقت میں ان چند جملوں کا اضافہ مزید چاہتا ہوں کہ:

(۱) میرے نزدیک اس وقت پورے عالم اسلام میں احیائے اسلام کی جو عظیم لہر چل رہی ہے' جسے اسلام کے دشمن "اسلامک فنڈامنٹلزم" کے نام سے موسوم کر رہے ہیں' وہ ایک ہی عظیم تر تحریک ہے' جس میں مختلف مسلمان ممالک کے مقامی حالات اور نفسیات کے فرق کی بنا پر جو فرق و تفاوت ہے وہ بس اسی نوعیت کا ہے جس کی عکاسی نعیم صدیقی صاحب کا یہ شعر کرتا ہے کہ ؎

"ہے ایک ہی جذبہ' کہیں واضح' کہیں مبہم
ہے ایک ہی نغمہ' کہیں اونچا' کہیں مدھم!"

(۲) برعظیم پاک و ہند میں اس تحریک کے لئے ذہنی اور فکری فضا تو علامہ اقبال نے ہموار کی تھی' لیکن اس کی اساس پر دعوت و تنظیم کی عملی پیشقدمی اولاً شروع کی تھی مولانا ابوالکلام آزاد نے "حزب اللہ" کی صورت میں' اور ان کے مایوس اور بددل ہو کر اس سے دستکش ہو جانے کے بعد' اس کا پورے زور و شور کے ساتھ "احیاء" کیا مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے "جماعت اسلامی" کی شکل میں! جو غیر منقسم ہندوستان میں تو قومی سیاست کے دھارے سے علیحدہ رہ کر "ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت" کی حیثیت سے کام کرتی رہی لیکن قیام پاکستان کے بعد اس نے "ایک اسلام پسند قومی سیاسی جماعت" کا رول اختیار کر لیا۔

(۳) تاہم یہ میرے نزدیک جماعت اسلامی پاکستان کا صرف جماعتی رول ہے' عظیم تر تحریک اسلامی کا اصل اور اصولی رول نہیں! اور میرے نزدیک اصل اہمیت نہ افراد و اشخاص کی ہے' نہ جماعتوں اور تنظیموں کی' بلکہ اس عظیم تر تحریک کی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے' لہٰذا میں خود جماعت اسلامی پاکستان سے تو یقیناً جدا بھی ہوں' اور اختلاف بھی رکھتا ہوں' لیکن اس اصل اصولی انقلابی تحریک اسلامی سے بحمداللہ نہ صرف یہ کہ آج تک پوری "وفاداری بشرط استواری" کی سی کیفیت کے ساتھ وابستہ ہوں' بلکہ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اس سے

کسی پسپائی یا معنوی ارتداد اختیار کرنے سے قبل میری موت واقع ہو جائے۔

رہی قاضی حسین احمد صاحب کے بارے میں میری رائے تو اس کے ضمن میں فطری اور طبعی طور پر وقتاً فوقتاً اور درجہ بدرجہ کچھ تبدیلیاں آتی رہی ہیں جن کے ضمن میں کسی قدر تفصیلی وضاحت کی ضرورت ہے۔

چنانچہ جہاں تک ان کی ذاتی صلاحیتوں کا تعلق ہے اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ایک نہایت باصلاحیت، محنتی، فعال اور متحرک انسان ہیں۔ اور اس میں بھی ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ انہوں نے جماعت اسلامی کو اس گومگو اور تذبذب بلکہ جمود کی کیفیت سے نکال کر جس میں وہ میاں طفیل محمد صاحب کے دور امارت اور خصوصاً جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور حکومت میں مبتلا رہی تھی ایک بار تو واقعتاً ایک زندہ، متحرک اور فعال جماعت بنا دیا تھا۔ تاہم مجھے ان سے اصل توقع اس بات کی تھی کہ وہ جماعت کو اقتدار کی کشاکش اور انتخابی سیاسی کی دلدل سے نکال کر کسی انقلابی طریق کار پر عمل پیرا کر سکیں گے۔

میری اس امید کی سب سے بڑی بنیاد یہ تھی کہ ان کا ایک نہایت گہرا اور فعال تعلق افغان جہاد سے رہا تھا اور افغان رہنماؤں میں سے ان کے خصوصی تعلقات گلبدین حکمت یار صاحب کے ساتھ رہے تھے، جن کے بعض اقدامات سے تو مجھے بھی اختلاف ہے، لیکن ان کے ایک انقلاب آفریں شخصیت کے حامل ہونے میں مجھے کوئی شک نہیں ہے، بلکہ مستقبل میں افغانستان میں اسلام کی عملی سربلندی کی امیدیں ان ہی کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اور اب سے ساتھ آٹھ سال قبل جب حکمت یار صاحب نے مجھے اپنے اس کیمپ کے معائنے کی دعوت دی تھی جو وارسک ڈیم سے متصل واقع تھا تو اس موقع پر ان سے جو مفصل گفتگو ہوئی تھی اس کا حاصل یہی تھا کہ انہوں نے قاضی صاحب کو قائل کر لیا ہے کہ اس انتخابی سیاست کے راستے سے پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کا مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا، اس کے لئے کسی متبادل راستے کی تلاش لازمی ہے!

اس کے کچھ عرصہ کے بعد ایک اطلاع مجھے ملتان سے ملی، جس سے اس امید کو مزید تقویت حاصل ہوئی، اور وہ یہ کہ وہاں ایک تقریب میں جماعت کے ایک اہم رکن بلکہ رہنما جناب صادق خاں خاکوانی نے قاضی صاحب سے اپنے چھوٹے بھائی کا تعارف کراتے ہوئے، جنہوں نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کر لی تھی، کسی قدر استہزائیہ انداز میں کہا: "انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے بیعت کر لی ہے اور ان کا خیال ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کریں گے!" تو غالباً وہ قاضی صاحب سے تو اپنے اس طنز کے نہلے پر کسی دہلے کے انتظار میں تھے، لیکن قاضی صاحب نے یہ کہہ کر انہیں مایوس کر دیا کہ "کوئی تیر تو اب تک ہم نے بھی نہیں مار لیا ہے!"

قصہ مختصر، اس نوع کی متعدد اطلاعات سے میری اس امید کو، جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے، تقویت حاصل ہوئی تھی کہ قاضی صاحب کے ہاتھوں ان شاء اللہ جماعت کی پالیسی میں بنیادی تبدیلی آ جائے گی اور وہ دوبارہ اپنے دعوتی و انقلابی طریق کار پر عمل پیرا ہو جائے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں وہ "بنیادی تبدیلی" آئی تو ضرور لیکن غالب کے اس قول کے مطابق کہ ع "آئیں وہ یاں خدا کرے، پر نہ خدا کرے کہ یوں!" بالکل برعکس سمت میں!

جماعت اسلامی کی امارت کا منصب سنبھالنے کے بعد قاضی صاحب کے مزاج میں جو تبدیلیاں آئیں ان کے بارے میں، واقعہ یہ ہے کہ، میں تاحال یہ فیصلہ نہیں کر پایا کہ آیا وہ ع "دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر!" کے برعکس صورت حال کا نتیجہ تھیں، یا اس کا کہ ان کے ذہن، قلب اور مزاج پر جماعت کے اندر ہی کے کسی ایسے "قبضہ گروپ" کا تسلط ہو گیا جو قوت و اقتدار کی سیاست کا خوگر، رسیا اور ماہر ہے، یا اس کا کہ وہ نادانستہ طور پر جماعت کے باہر کے کسی حلقے کے آلہ کار بن گئے؟ (جیسا کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے!)۔۔۔۔۔ واللہ اعلم!

بہرصورت میرا ماتھا اولاً تو اس وقت ٹھنکا تھا جب انہوں نے اپنی انڈیا بیانات میں وہ انداز اختیار کیا تھا جو کسی عوامی اور خالص سیاسی جماعت کی تیسری چوتھی صف کے کارکنوں کے لئے تو مناسب ہو سکتا تھا، جماعت اسلامی ایسی ثقہ اور سنجیدہ دینی جماعت، اور اس کے بھی امیر کے ہرگز شایان شان نہ تھا! اور پھر خلیج کی جنگ کے دوران جو روش انہوں نے اختیار کی وہ تو ان خالص "سیاسی حیوانوں" کی روش سے قطعاً مختلف نہ تھی جن کا مقصد زندگی ہی صرف یہ ہوتا ہے کہ عوامی جذبات کی کسی بھی چڑھتی لہر پر سوار ہو کر جلد از جلد ایوان اقتدار تک پہنچ جائیں، قطع نظر اس سے کہ جذبات کا وہ ریلا دور رس اور دیرپا نتائج کے اعتبار سے ملک و قوم کے لئے مضر بلکہ مہلک ہی ہو! ----- مزید برآں، اس کے ضمن میں عام سیاستدانوں کی معروف روش کے مطابق انہوں نے "کہہ مکرنی" کا جو سلسلہ اختیار کیا اس سے خواہ جماعت کے عام کارکنوں کی کچھ تسلی ہو گئی ہو، جملہ سیاسی و صحافتی حلقوں میں ان کی عزت اور وقار کا دھیلا ہو گیا!

اس کے بعد جب جماعت اسلامی قاضی صاحب کی قیادت میں "آئی ایس آئی" کے ذریعے وجود میں آنے والی "آئی جے آئی" میں شریک ہوئی تو اگرچہ یہ اتحاد ان ہی "جاگیرداروں اور سرمایہ داروں" کے ساتھ تھا جن کے خلاف نعروں سے جماعت کے کارکنوں نے چند ہی دن پہلے لاہور کی دیواروں کو سیاہ کر دیا تھا، تاہم میرے نزدیک یہ بھی اسی سیاسی مزاج اور حکمت عملی کی توثیق مزید تھی جس پر جماعت تو ایک طویل عرصے سے کاربند تھی ہی، اب واضح ہو گیا تھا کہ قاضی صاحب بھی اس رخ پر گامزن ہیں!

البتہ جب انتخابات میں آئی جے آئی کی کامیابی کے بعد اس میں شامل رہتے ہوئے جماعت نے حکومت میں شمولیت سے انکار کر کے ایک "داخلی محتسب" کا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا تو اگرچہ مروجہ سیاست کے اصولوں کے اعتبار سے تو یہ ایک غیر منطقی اور غیر اصولی بات تھی، تاہم میں نے اسے جماعت کے تشخص کو از سر نو بحال کرنے کی سعی کی حیثیت سے جماعت کی اپنے اصولی انقلابی طریق کار کی جانب مراجعت کے امکان کا مظہر قرار دیتے ہوئے خوش آمدید کہا تھا۔

انہی دنوں جناح ہال لاہور میں مولانا سید حامد میاںؒ (مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور و نائب امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان) کی یاد میں ایک جلسہ مولانا خان محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں، و صدر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں دوسرے بہت سے مقررین کے ساتھ ساتھ خطاب کی دعوت مجھے بھی تھی اور قاضی صاحب کو بھی، تو وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ جلسے کے سٹیج سیکریٹری مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب تقریباً ہر مقرر کو دعوت خطاب دیتے ہوئے یہ اپیل کرتے رہے کہ خدارا اس انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر کسی متبادل طریق کار پر غور فرمائیے۔ چنانچہ جب میری باری آئی تو میں نے عرض کیا کہ "سب جانتے ہیں کہ میرے تو یہ دل کی آواز ہے، تاہم اس پر گفتگو اس قسم کے جلسہ عام میں نہیں محدود انداز کی مشاورتی مجالس

میں ہونی چاہیے"۔ میں تو اپنی ایک مجبوری کے باعث تقریر کرکے واپس آگیا۔ اس وقت تک' جہاں تک یاد پڑتا ہے' قاضی صاحب وہاں تشریف بھی نہیں لائے تھے۔ بعد میں مجھے اطلاع ملی کہ قاضی صاحب کا ردعمل اس پر بہت مثبت تھا اور انہوں نے صدر جلسہ مولانا خان محمد مدظلہ' سے درخواست کی کہ اس معاملے میں وہ ہی کسی گفت و شنید کا آغاز فرمائیں۔ چنانچہ اس پر دل میں پھر امید کے کچھ چراغ روشن ہوئے اور میں نے ۸ جنوری ۱۹۹۱ء کو قاضی صاحب کی خدمت میں حسب ذیل خط ارسال کیا:

محترم برادرم قاضی حسین احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' مزاج گرامی!

۵ جنوری کی شام کو جلسہ بیاد مولانا سید حامد میاںؒ میں میں نے عرض کیا تھا کہ پاکستان میں اقامت دین اور نفاذ اسلام کی جدوجہد کے سلسلے میں طریق کار کے بارے میں باہمی مشاورت یا کم از کم تبادلہ خیالات کی صورتیں نکالی جانی چاہئیں---- مجھے تو اپنی ایک مصروفیت کے باعث فوراً ہی روانہ ہوجانا پڑا تھا---- شیخ جمیل الرحمٰن صاحب سے معلوم ہوا کہ بعد میں آپ نے اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مولانا خان محمد صاحب سے اس سلسلہ میں initiative لینے کی فرمائش کی تھی ----- میری حقیر رائے میں اس سلسلہ میں کسی بڑے اجتماع کے انعقاد سے قبل نجی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوجانا چاہیے۔ پھر اگر ان میں کوئی مثبت پیش رفت ہو تو بات آگے بھی بڑھائی جاسکتی ہے۔

مجھے ۳۶ سال قبل کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے---- یہ اواخر نومبر یا اوائل دسمبر ۵۴ء کی بات ہے' میں ایم بی بی ایس سے فارغ ہوکر ابھی منٹگمری (ساہیوال) پہنچا ہی تھا' مولانا مودودی مرحوم ان دنوں ملتان جیل میں نظر بند تھے ------ منٹگمری سے چند لوگ ان سے ملاقات کے لئے ملتان گئے تھے جن میں میں بھی شامل تھا۔ اس ملاقات میں میں نے مولانا سے یہ مختصر سوال کیا تھا: "کیا ابھی آپ اس طریق کار سے مایوس نہیں ہوئے جو آپ نے بعد از قیام پاکستان اختیار فرمایا تھا؟" مولانا کا بھی انتہائی مختصر جواب تھا: "ابھی میں اس طریق کار کے لئے راستے بند نہیں پارہا!"

آج بھی میں اسی سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے آپ سے ملاقات کا خواہشمند ہوں کہ: "کیا آپ ابھی اس کے قائل نہیں ہوئے کہ انتخابی سیاست سے کامل کنارہ کشی کرکے خالص پریشر گروپ کا رول اختیار کیا جائے؟" ---- میرے خیال میں جماعت اس سلسلے میں نہ صرف یہ کہ leading role ادا کرسکتی ہے بلکہ دوسرے تمام حلقوں کے مخلص کارکنوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرسکتی ہے! تاہم تفصیل ملاقات ہی میں بیان ہوسکتی ہے!

آخر میں اس شرط کا اعادہ مناسب سمجھتا ہوں جس کا ذکر میں نے اپنی تقریر میں بھی کیا تھا---- یعنی یہ کہ کسی بھی گفت و شنید اور تبادلہ خیالات کی افادیت اور نتیجہ خیزی اس بات سے مشروط ہے کہ جانبین ایک دوسرے کو مخلص سمجھتے ہوں۔ الحمدللہ کہ مجھے ذاتی طور پر آپ کے خلوص پر پورا اعتماد ہے---- اب اگر آپ بھی اپنے دل میں یہ احساس موجود پائیں کہ میں احیاء اسلام' اور اقامت دین کے بلند و بالا مقاصد کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتا ہوں اور جماعت اسلامی سے میرا اختلاف صرف طریق کار کا ہے ----- تو اتوار ۱۳ جنوری سے جمعرات ۱۷ جنوری تک کسی بھی دن' کسی بھی وقت' خواہ آپ زحمت فرمالیں' خواہ مجھے طلب فرمالیں' ---- پہلی صورت کو اپنے لئے باعث اعزاز' اور دوسری کو موجب سعادت سمجھوں گا!

بصورت دیگر ---- یعنی اگر آپ کو میرے خلوص پر اعتماد نہ ہو تو اس خط کو پھاڑ کر پھینک دیجئے' کسی جواب کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

فقط والسلام' خاکسار اسرار احمد عفی عنہ"

اس کے جواب میں' میں ممنون ہوں کہ' قاضی صاحب نے مجھے ہی "سعادت" کے حصول کا موقع عنایت فرمایا۔ چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور حسب ذیل گذارشات پیش کیں۔ (واضح رہے کہ یہی گذارشات میں اس سے قبل کراچی میں جناب محمود اعظم فاروقی اور پروفیسر عبدالغفور احمد کی خدمت میں بالمشافہ پیش کرچکا تھا!)

"اگر جماعت اسلامی مستقل طور' یا جیسے کہ جماعت کے ایک سابق رکن (جنہیں جماعت سے خارج کردیا گیا تھا) ڈاکٹر محمد امین صاحب نے کہا تھا' کم از کم آئندہ پچیس برس کے لئے انتخابات کے میدان سے کنارا کشی کا اعلان کردے' تو اس سے حسب ذیل دو مثبت نتیجے تو فوری طور پر نہ صرف جماعت اسلامی' بلکہ بحیثیت مجموعی خود دین و مذہب' اور ملت و امت کے حق میں برآمد ہوں گے:

ایک یہ کہ پاکستان کے تمام دینی جذبات کے حامل عوام کو جو شدید شکایت ہر انتخاب کے بعد جملہ مذہبی جماعتوں سے پیدا ہوتی ہے' یعنی یہ کہ یہ جماعتیں اپنی اپنی انفرادی حیثیت میں الیکشن میں حصہ لے کر اور اس طرح اسلام کے حامی ووٹوں کو تقسیم کراکے لادینیت' الحاد' اور اباحیت کے علمبرداروں کی فتح کا سبب بن جاتی ہیں' اس سے کم از کم جماعت بری ہوجائے گی۔ اور یہ DISCREDIT کم از کم اس کے حصے میں نہیں آئے گا۔ جس سے عوام میں جماعت کے لئے ہمدردی اور حمایت کے جذبات پیدا ہوں گے جو کسی آئندہ فیصلہ کن مرحلے پر اہم ہی نہیں حقیقتاً "فیصلہ کن" ثابت ہوسکتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ چونکہ سب جانتے ہیں کہ جماعت کا ایک چھوٹا یا بڑا ووٹ بینک بہرحال موجود ہے' لہٰذا جملہ مذہبی اور سیاسی جماعتیں جماعت کا رخ کریں گی اور چاہیں گی کہ جماعت کے ووٹران کے امیدواروں کے حق میں رائے دیں۔ اس سے ایک جانب اس فرقہ واریت کی شدت میں کمی ہوگی جو سب کے نزدیک پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اور دوسری جانب عام سیاسی جماعتوں سے بھی متعین معاملات میں ایسی COMMITMENTS حاصل کی جاسکیں گی جو اسلام کے قیام و نفاذ میں مفید و معاون ثابت ہوں۔

پھر انتخابی سیاست کے محاذ سے کنارہ کش ہوکر جماعت جب اپنی پوری قوت کو ذہنی و فکری اور عملی و اخلاقی انقلاب اور نہی عن المنکر پر مرکوز کردے گی تو اس سے بھی بہت قلیل مدت کے اندر اندر دو مثبت نتائج پیدا ہوں گے:

ایک یہ کہ جماعت کا اپنا تنظیمی قاعدہ (BASE) اپنے جملہ موجودہ اخلاقی و عملی معیارات کو برقرار رکھنے کے باوجود وسیع ہوگا جس سے مستقبل کے کسی اقدام کے لئے اصل قابل اعتماد قوت فراہم ہوگی۔

اور دوسری جانب باقی تمام دینی و مذہبی جماعتوں کے مخلص کارکن بھی جماعت کی جانب کشش محسوس کریں گے۔ اس لئے کہ اس حقیقت کو تو سب لوگ برملا تسلیم کرتے ہیں کہ اسلامی نظام کا نفاذ اس انتخابی راہ سے ممکن نہیں ہے' تاہم چونکہ کوئی قابل لحاظ متبادل قوت میدان میں موجود نہیں ہے' لہٰذا چار و ناچار "جمود محض کے مقابلے میں تو بغیر آگے بڑھے اپنے مقام پر کھڑے کھڑے حرکت کرنا یعنی MARK-TIME بھی بہتر ہے!" کے اصول کے تحت اپنی اپنی تنظیموں کے ساتھ منسلک ہیں۔"

قاضی صاحب نے میرا اکرام بھی بہت فرمایا' اور طعام بھی بہت اعلیٰ کھلایا' مزید برآں میرے استدلال

کی صحت کو بھی تسلیم کیا' لیکن آخری بات یہ فرمائی کہ یہ تمام کام انتخابی عمل میں شرکت و شمولیت کے ساتھ ساتھ بھی ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا آپ بھی جماعت میں شامل ہو جائیں اور خود اسی نہج پر کام کرتے رہیں۔ اس سے میں نے شدت کے ساتھ اختلاف کیا اور عرض کیا کہ میرے نزدیک ان دونوں کاموں کے تقاضے اتنے مختلف ہی نہیں اس قدر متضاد ہیں کہ کسی ایک "چھت" کے نیچے انہیں جمع نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ میں نے اپنی اس پرانی پیشکش میں تو کہ اگر جماعت انتخابی عمل سے دستکش ہونے کا اعلان کردے تو میں اپنے تمام ساتھیوں سمیت جماعت میں شامل ہو جاؤں گا۔ میں نے یہ کمی تو ڈاکٹر محمد امین صاحب کی تجویز کے سامنے آتے ہی کردی تھی کہ مستقل طور پر نہ سہی اگر الیکشن سے کنارا کشی کا فیصلہ کم از کم پچیس سال کے لئے کرلیا جائے تو بھی میں شمولیت اختیار کرلوں گا' لیکن اس واضح اعلان کے بغیر میں اپنے نقشہ کار میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرسکتا بلکہ جو کام اس وقت کر رہا ہوں' وہ جس پیمانے پر بھی مجھ سے بن آرہا ہے' کرتا رہوں گا۔ چنانچہ اسی بات پر ہماری گفتگو اور ملاقات اختتام کو پہنچ گئی۔

اب اس سے قبل کہ میں اپنی چند ان باتوں کی "وضاحت" کروں جو میں نے الیکشن ۹۳ء سے قبل قاضی صاحب کی بعض آراء کی تائید و تصویب میں کہی تھیں' قاضی صاحب سے ایک دوستانہ گلہ ریکارڈ پر لے آنا چاہتا ہوں جو مجھے اپنے حالیہ سفر حجاز مقدس کے دوران ان کی ایک گفتگو کے حوالے سے پیدا ہوا ہے۔ یہ گیارہ یا بارہ جنوری کی بات ہے کہ جدہ میں جماعت اسلامی کے دو وابستگان سے گفتگو کے دوران قاضی صاحب کا یہ قول نقل ہوا کہ: "کوئی متبادل طریق کار تو ڈاکٹر صاحب نے بھی پیش نہیں کیا!" ---- قاضی صاحب کو میری رائے کو رد کردینے کا اختیار جس طرح اس سے قبل حاصل تھا اب بھی حاصل ہے اور وہ یہ بھی کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ جو متبادل راستہ میں پیش کر رہا ہوں وہ ناقابل عمل ہے' لیکن "منہج انقلاب نبوی ﷺ" کے موضوع پر میری بیشمار تقاریر' اور ان کے آڈیو اور وڈیو کیسٹوں پر مشتمل پورے چار سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب جس میں میں نے اس موضوع پر بھی اپنے رائے تفصیل کے ساتھ پیش کر دی ہے کہ آج کے بدلے ہوئے حالات میں نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے آخری مرحلے کے ضمن میں کیا اجتہادی تبدیلی ضروری ہے---- اور ان سب پر مستزاد میری اس مفصل ملاقات کے بعد بھی اس "تجاہل عارفانہ" پر سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اسلام کا معاشی نظام کیوں نہیں چل سکتا؟

مرسلہ: ابن صالح

ذہنوں میں اکثر یہ سوال آتا ہے کہ آخر وہ کیا وجہ ہے کہ مسلمان ممالک میں بھی اسلام کے معاشی قوانین نافذ نہیں کئے جاسکے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ محض عدل و انصاف اور مساوات کے بل پر اسلام کے معاشی قوانین کو نافذ کرنے کے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں کئے جاسکتے۔ وہ ایسی کئی مثالیں پیش کرتے ہیں جہاں اسلام کے معاشی قوانین کا الٹا نتیجہ نکلا۔ جیسا کہ پاکستان' ملائشیا اور سوڈان میں زکوٰۃ وصول کرنے کا معاملہ ہوا ہے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمان ممالک میں مغربی معاشی نظام کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ اور اس سے بھی اہم تر یہ کہ کیا مغرب میں اس نظام سے تمام مسائل حل ہو گئے ہیں؟ اس کا جواب کسی حد تک وال سٹریٹ جرنل (۲۷/ جون ۱۹۹۱ء) کے اس اقتباس سے ملتا ہے۔

سرد جنگ کو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ کیمونزم کا تجربہ ناکام ثابت ہو چکا ہے۔ لیکن معاشی بدحالی اپنی جگہ قائم ہے۔ ایشیاء' افریقہ اور لاطینی امریکہ کے تیسری دنیا سے تعلق رکھنے والے ممالک کی بات تو جانے دیجئے کہ غربت' بے روزگاری' افراط زر اور قرضوں کے بوجھ تلے دبے رہنا گویا ان کا مقدر بن چکا ہے۔ آخر امریکہ' کینیڈا' برطانیہ' آسٹریلیا اور سویڈن جیسے ممالک کیوں کساد بازاری کے مسئلے سے دوچار ہیں؟ یورپ اپنی پیداواری صلاحیت کو برقرار رکھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ جاپان کی سٹاک مارکیٹ مسلسل پسپائی کی جانب رواں ہے۔

مجھے کئی ممالک میں رہ کر دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ میں پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان ممالک میں اسلام کے معاشی قوانین رائج نہ ہونے کا اصل سبب وہاں پر دھوکہ بازی' ناقص کارکردگی اور نوکر شاہی اور سیاست دان طبقہ کی لوٹ کھسوٹ ہے۔ حرام کا ایک پیسہ سارے حلال مال کا ستیاناس کر دیتا ہے۔ جیسے دودھ کے گھڑے میں پیشاب کا ایک قطرہ اسے ناقابل استعمال بنا دیتا ہے۔ یہی بات کسی ملک کی معیشت پر بھی صادق آتی ہے۔ آپ چاہیں کہ سودی بنکوں کے ساتھ بلاسودی بینک چل جائے۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

انسان فطرتاً لالچی پیدا ہوا ہے۔ قرآن مجید بالکل صاف بیان کرتا ہے کہ برائی کی طرف انسان بھاگ کر جاتا ہے۔ ایک غیر تربیت یافتہ اور اکھڑ ذہن معاشرے کو سدھارنے کی ساری کوششوں کو خاک میں ملا سکتا ہے۔ اس لئے ایک طرف دینی تعلیم و تربیت درکار ہے تو ایسا نظام بھی درکار ہے جس میں غلط کار کی سرکوبی ہو اور نیک کام کرنے والے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس کے بغیر نہ مروجہ معاشی نظام کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ اسلام کا معاشی نظام۔ مغربی ممالک اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب تک قانونی تحفظ فراہم نہ کیا جائے' معاشی سرگرمیاں جاری نہیں رہ سکتیں۔ لہٰذا کوئی احمق ہی ہوگا جو یہ کہے کہ قوانین پر سختی کے ساتھ عمل درآمد کئے بغیر اسلام کا معاشی نظام رائج کیا جاسکتا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ مسلم ممالک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا عوام کی سطح پر خیر مقدم کیا جائے گا۔ لہٰذا اصل مسئلہ ان قوانین کے نفاذ کا ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں پانی مرتا ہے۔ اس راہ میں رشوت خور نوکر شاہی اور بدعنوان سیاستدان سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ جسے بغیر طاقت کے دور نہیں کیا جا سکتا ---- ایک ایسی مضبوط اور منظم طاقت جو بلا تامل قانون کا اطلاق یکساں طور پر کر سکے ---- قانون کا صرف اچھا ہونا ہی کافی نہیں ہوتا۔ جب تک وہ مظلوم کو اس کا حق دلا نہ سکے اور ظالم کو اس کے کیفر کردار تک نہ پہنچا سکے۔ یہ وہ نظام ہے جس کی نوع انسانی صدیوں سے منتظر ہے۔ ○○ (ماخوذ)

سوڈان کا یہ اسلامی طرز فکر ہی "دہشت گردی" ہے

معاشی طور پر ہمارا زندہ رہنا معجزے سے کم نہیں

سوڈان کے صدر عمر حسن البشیر کا ایک انٹرویو

اخذ و ترجمہ ۔ سردار اعوان

س: امریکہ نے سوڈان کو دہشت گرد ملک قرار دے دیا ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ کیا سوڈان دہشت گردوں کو یہاں رہنے اور تربیت حاصل کرنے کی سہولت فراہم کر رہا ہے؟

جواب: دہشت گردی کے الزامات اس امریکی مہم کا ایک حصہ ہیں جو اس نے سوڈان کے خلاف اپنی دشمنی کے نتیجے میں شروع کر رکھی ہے۔ ہم نے امریکی سفیر کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ وہ سوڈان میں جہاں چاہے جا کر دیکھے اور جس جگہ ہم نے دہشت گرد چھپا رکھے ہیں یا انہیں تربیت دے رہے ہیں' اس کا پتہ چلائیں۔ چنانچہ امریکی سفیر کئی جگہ جا کر دیکھ چکے ہیں اور انہیں اچھی طرح علم ہے کہ ان الزامات میں کوئی سچائی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ اسی ایک بات کی رٹ لگائے جا رہے ہیں حالانکہ سب جانتے ہیں کہ سوڈان اور اس کا دارالخلافہ خرطوم یورپ اور امریکہ کے دارالحکومتوں سے زیادہ پرامن اور پرسکون ہے۔ سوڈان کے عوام نے کبھی بھی کسی قسم کی دہشت گردی میں حصہ نہیں لیا۔

س: تو پھر اس شور شرابے کا مقصد کیا ہے؟

جواب: بظاہر جب یہ لوگ "سوڈانی دہشت گردی" کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ہوائی جہاز اغوا کر رہے ہیں' ان میں بم رکھ رہے ہیں یا اور اس طرح کی پر تشدد کارروائیاں کر رہے ہیں بلکہ وہ ہمارے اسلامی طرز فکر کو دہشت گردی کا نام دیتے ہیں۔ چونکہ وہ کھل کر اسلام کی مخالفت نہیں کر سکتے اس لئے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہ چالاکی کرتے ہیں۔ ورنہ سوڈان اور امریکہ کا آپس میں کون سا تنازعہ چل رہا ہے۔ ہماری کوئی سرحدیں مشترک نہیں ہیں' کوئی ہم نے ان کا مال غصب نہیں کیا۔ ہم نے تو انہیں غصہ دلانے والی کبھی کوئی بات ہی نہیں کی لیکن ہم اپنی خود مختاری اور اپنی شناخت کو کیسے ترک کر سکتے ہیں۔

س: امریکہ نے جنوبی سوڈان کو پرامن بنانے' بھوک اور جنگ و جدل سے پاک کرنے کی بھی بات کی ہے۔

جواب: جو لوگ امن کے دلدادہ ہیں اور جنوبی سوڈان میں لوگوں کو فاقوں کی وجہ سے موت کے منہ میں جانے سے بچانا چاہتے ہیں۔ وہ وہاں محاذ آرائی کو ہوا دے کر کھیتوں اور کھلیانوں کو تباہ کرانے سے باز آ جائیں تو اس کام میں دیر نہیں لگے گی۔ باغیوں کی چند پناہ گاہوں کو چھوڑ کر سارا جنوبی سوڈان پرامن طور پر رہ رہا ہے اس کے باوجود اگر ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کی گئی تو ہمارے لئے اپنی سرزمین کا دفاع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہو گا۔

س: جنوبی سوڈان میں جھگڑے کا حل کیا ہے؟

جواب: حکومت نے سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ ایک قومی امن کانفرنس منعقد کی تھی جس میں سوڈان کے تمام مذہبی فرقوں اور زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو شرکت کی دعوت دی تھی کہ وہ کھلے ذہن سے آپس میں گفتگو کریں اور امن کے لئے کوئی راہ تجویز کریں۔ کانفرنس نے تمام مسائل کا جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ ہمیں وفاقی طرز حکومت اختیار کر کے مکمل علاقائی خود مختاری کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ شرعی قوانین کا نفاذ بھی ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے' کیونکہ وہاں سب سے زیادہ یہی قوانین مبینہ طور پر محاذ آرائی کا سبب قرار دیئے جا رہے ہیں۔

س: اس پر باغیوں کا ردعمل کیا تھا؟

جواب: کانفرنس کے پیش نظر باغیوں سمیت پورے جنوبی سوڈان کا معاملہ تھا۔ کانفرنس میں دوسرے لوگوں کے علاوہ باغیوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا کہ وہ آ کر اپنا نکتہ نگاہ پیش کریں' اس کے لئے انہیں ہر قسم کے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی' مگر شاید انہیں اپنے بیرونی آقاؤں سے اس کی اجازت نہیں مل سکی' اس لئے وہ شریک نہیں ہوئے۔ تاہم حکومت اپنی اس پالیسی پر کاربند ہے کہ اس سیاسی مسئلے کا کوئی سیاسی حل ہی ہونا چاہیے۔ لیکن اب تک ہمیں جو تجربہ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ باغیوں کو امن سے زیادہ اپنی غیر قانونی سرگرمیوں کو جاری رکھنے سے دلچسپی ہے۔

س: کیا یہ نام نہاد باغی اپنے طور پر امن کے قیام میں مدد دے سکتے ہیں؟

جواب: ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ بیرونی اشاروں پر ہی سب کچھ کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ مسئلہ آزادی کے ساتھ ورثہ میں ملا ہے۔ ۱۹۵۵ء میں جب یہ چکر شروع ہوا تھا سوڈان کو آزادی بھی حاصل نہیں ہوئی تھی' لہٰذا اس وقت شریعت کے نفاذ کا کون سا مسئلہ تھا۔ برطانوی نو آبادیاتی نظام کا یہ خاصا تھا کہ وہ ہر جگہ اپنے پیچھے اپنے انڈے بچے چھوڑ کر گیا۔ شمالی سوڈان کا مسلمان عرب جنوبی سوڈان کے عیسائیوں اور ملحدوں پر جو ظلم و ستم ڈھا رہا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہی عیسائی اور ملحد ہزاروں کی تعداد میں اپنے "نجات دہندگان" کے چنگل سے بھاگ کر شمالی سوڈان میں آ کر پناہ لیتے ہیں۔

س: جنوب کا بالآخر کیا نتیجہ نکلے گا؟

جواب: ہم نے اپنی کوشش ترک نہیں کی۔ سرد ست کینیا کے صدر ڈینیل ارپ موئی (Daniel Arap Moi) کی سربراہی میں قائم چار افریقی ممالک کی ایگاڈ امن کمیٹی کے ساتھ ہونے والے مذاکرات کی بحالی کا انتظار ہے۔ ہم افریقی ممالک کی جانب سے اس کوشش کے بارے میں

پرامید ہیں کہ بیرونی طاقتیں اسے ناکام نہیں بنا سکیں گی۔

س: آپ کے نزدیک سوڈان کے عرب' افریقی اور دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات کیسے ہیں؟

جواب: ماضی میں سوڈان کی خارجہ پالیسی اس طور سے آزاد نہیں رہی لیکن ہماری خارجہ پالیسی میں سب سے بڑی رکاوٹ امریکہ کے ساتھ ہمارے کشیدہ تعلقات ہیں جس کی وجہ سے بیشتر ممالک کے ساتھ تعلقات میں مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ مگر اس کا ہمارے پاس کوئی علاج بھی نہیں' سوائے اس امید کے کہ کسی روز وہ لوگ اپنا اسلام دشمن رویہ خود ہی ترک کر دیں۔ تاہم افریقی ممالک کے ساتھ ہم آہنگی اور تعاون کی فضا بہتر ہوئی ہے۔ عرب ممالک کے ساتھ تعلقات سازگار بنانے کے لئے بھی کوشش کر رہے ہیں۔ عربوں کے ساتھ ہمارے تعلقات کو خلیج کی جنگ کے نتیجے میں نقصان پہنچا تھا۔ ہم نے کویت پر عراق کے حملے کی شدید مخالفت کی تھی' لیکن جب معاملہ عراق اور امریکہ کے درمیان آگیا تو ہمارے لئے امریکہ کے مقابلے میں عراق کی حمایت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ بہرحال اب وہاں ہمارا موقف بہتر طور پر سمجھا جانے لگا ہے۔ دوسرے مسلمان ممالک کے ساتھ ہمارے تعلقات بہت اچھے ہیں' مثلاً ایران' پاکستان' انڈونیشیا اور ملائیشیا وغیرہ۔

س: سوڈان کو صومالی تصادم میں مداخلت کے لئے بھی مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے؟

جواب: جنرل عدید کا ٹھکانہ جنوبی مغادیشو ہے جو بالکل ایک عام طرح کا شہر ہے' نہ پہاڑیاں' نہ اونچے اونچے درخت یا جھاڑ جھنکار۔ مزید برآں سوڈان کا مغادیشو کے ساتھ براہ راست رابطہ ممکن نہیں۔ کیونکہ بندرگاہ تو امریکی بحریہ کے گھیرے میں رہتی ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ سوڈان وہاں اسلحہ پہنچانے میں کامیاب ہو گیا ہو۔

س: مسئلہ فلسطین کے بارے میں سوڈان کا کیا موقف ہے؟

جواب: ہم سختی کے ساتھ اپنے اس موقف پر قائم ہیں کہ فلسطینیوں کو اپنا علاقہ یروشلم سمیت واپس ملنا چاہیئے۔

س: اور جموں و کشمیر کے بارے میں؟

جواب: جموں و کشمیر کے بارے میں اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد کرایا جائے۔

س: حلایب Halaib پر مصر کا دعویٰ ہے؟

جواب: تاریخی اور قانونی طور پر یہ سوڈان کا حصہ ہے لیکن ہم نہیں چاہتے کہ اسے کوئی بہت بڑا مسئلہ بنا لیں۔ چنانچہ ہم نے مصر کے ساتھ افہام و تفہیم کی راہ اختیار کر رکھی ہے۔ مصر اور سوڈان کے وزرائے خارجہ کے درمیان ہونے والی بات چیت تین مرتبہ ہمارے مصری بھائی کے کہنے پر ملتوی کرنا پڑی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایسا کوئی فوری مسئلہ نہیں ہے۔

س: سوڈان کے بارے میں جو غلط تاثرات پھیلا دیئے گئے ہیں ان کے ہوتے ہوئے خرطوم میں عرب' اسلام عوامی کانفرنس' کے انعقاد سے آپ کو کیا مدد ملنے کی امید ہے؟

جواب: سوڈان کے خلاف عالمی پیمانے پر کارروائیوں کے نتیجے میں ہماری مشکلات میں اضافہ لازمی امر ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ہم حق پر ہیں اور فتح حق کی ہو گی۔ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے دور دراز سے جو حضرات شرکت کے لئے آرہے ہیں انہیں تو کم از کم معلوم ہو جائے گا کہ نام نہاد عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہمارے بارے میں جو معلومات بہم پہنچائی جارہی ہیں ان میں کتنی حقیقت ہے۔ اس کے علاوہ پوری امت مسلمہ کو جو خطرات درپیش ہیں ان کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ صرف سوڈان کا ہی تو یہ مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارے پیش نظر سب سے اہم مقصد مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا ہے۔ اگر موجودہ حالات حکومتی سطح پر اس کی اجازت نہیں دیتے تو کم از کم عوام کے درمیان ہی اسلامی بھائی چارے کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔ اس کے بعد اللہ نے چاہا تو حکومتوں کے درمیان قربت کا احساس بھی اجاگر ہو گا۔

س: آپ نے آئندہ سال عام انتخابات کرانے کا اعلان کیا ہے آپ کے سامنے دستوری سطح پر حالات معمول پر لانے کے لئے کیا تجاویز ہیں؟

جواب: ہمارے ہاں دستوری عمل میں پیش رفت کا دارومدار اس سیاسی نظام پر ہے جسے ایک قومی کانفرنس نے طے کیا ہے۔ اس کانفرنس میں سوڈان کے تمام جدید و قدیم مذہبی' سیاسی اور سماجی طبقات کو نمائندگی حاصل تھی اس نظام کا پہلا یعنی بلدیاتی مرحلہ پہلے ہی مکمل ہو چکا ہے جون ۹۴ء تک ریاستی اسمبلیاں بھی قائم ہو جائیں گی۔ اس کے بعد قومی اسمبلی اور صدر کا انتخابات عمل میں آئے گا۔ انقلابی کونسل نے اپنی جگہ صدر کا عہدہ بحال کر دیا ہے۔ اور ایک عبوری قومی اسمبلی کے ذریعے قانون سازی ہو رہی ہے جس میں عوام کے مختلف طبقات کو نمائندگی حاصل ہے۔

س: گزشتہ ساڑھے چار سال میں آپ کی حکومت کے کارہائے نمایاں کیا ہیں؟

جواب: میرے خیال میں سوڈان میں پہلی مرتبہ کسی حکومت نے تمام اہم مسائل پر توجہ دی ہے۔ مثلاً جنوبی سوڈان کا مسئلہ' دفاع' بیرونی ممالک کے ساتھ روابط' امن عامہ' سیاسی نظام' معیشت وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی کرم ہے ورنہ معاشی طور پر ہمارا زندہ رہنا معجزہ سے کم نہیں۔ تمام حربوں کے باوجود گاڑی رکی نہیں ہے۔ ۱۹۸۹ء میں ہمارے بجٹ کا ستر فیصد سے زائد حصہ بیرونی امداد پر مبنی تھا۔ جب ہم نے اسلام کی جانب رخ پھیرا تو یہ امداد پانچ فیصد رہ گئی لیکن کوئی قحط نہیں آیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری مالی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مگر اللہ مالک ہے' ہم بہرحال جو جائز راستہ ہے اسے تو ترک نہیں کریں گے۔ OO

(بشکریہ امپکٹ انٹرنیشنل' لندن جنوری ۹۴ء)

سوڈان ترقی اور خود انحصاری کے ایک نمونے کے طور پر ابھر رہا ہے۔

امریکی ہفت روزے نیوز ویک کی تازہ رپورٹ

گذشتہ سال اگست سے امریکہ نے سوڈان کو ان قوموں کی فہرست میں شامل کرلیا ہے جن پر الزام ہے کہ وہ دہشت گردی کی سرپرستی کرتی ہیں اور اسلامی جہاد کے لئے لوگوں کو امداد اور تربیت کی سہولت فراہم کرتی ہیں۔ اس طرح سوڈان ترقی کے لئے امریکی رقوم حاصل کرنے سے ہی محروم نہیں ہوا۔ امریکہ نے اسے عالمی برادری سے الگ تھلگ رکھنے کے لئے اپنی کوششیں تیز تر کر دی ہیں۔ لیکن اس سے عملی طور پر سوڈان کو کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ ۱۹۸۹ء میں جب سے صدر عمر حسن البشیر کی حکومت قائم ہوئی

ہے اسے مغرب سے کوئی امداد نہیں مل رہی اور بجائے اس کے کہ اسے کوئی سزا ملتی حکومت کا اسلامی ریاست قائم کرنے اور اسلامی بنیاد پرستی کو عرب دنیا سے باہر تک پھیلانے کا عزم مزید پختہ ہوا ہے۔ خرطوم میں مقیم ایک مغربی سفارت کار کے مطابق ان کی سوچ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک آزمائش ہے۔ جس میں وہ کامیاب ثابت ہوں گے۔

مساجد، کھجوروں اور پچاس لاکھ شہریوں کا مسکن سوڈانی دارالخلافہ خرطوم حالیہ مہینوں سے ایک نئی مغرب مخالف لہر کو ہوا دے رہا ہے۔ سرکاری کنٹرول میں چلنے والے ٹی۔وی پر جنگی نغمے الاپے جا رہے ہیں اور جنوبی سوڈان میں غیر مسلم علیحدگی پسندوں کے خلاف لڑنے والے سپاہیوں کی کارروائی کے مناظر دکھائے جا رہے ہیں۔ عوامی دفاعی فوج نے جو ایک نیم فوجی اسلامی گروہ ہے، خرطوم میں تمام سرکاری ملازمین پر زور دیا ہے کہ وہ پینتالیس روزہ تربیت کے لئے اپنے آپ کو وقف کریں۔ چنانچہ دفتری اوقات کے بعد سینکڑوں افراد روزانہ سات گھنٹے فوجی تربیت حاصل کرتے ہیں، اسلام کے بارے میں لیکچر سنتے ہیں اور امریکہ کے خلاف اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے گرد آلود گلی کوچوں میں گشت کرتے ہیں۔ ایک بہت بڑے سوڈانی بینک کے چیئرمین، بدرالدین طہ جنہوں نے چار سو آدمی تربیت کے لئے دیئے ہیں، اسے ملازمین کے لئے لازمی قرار نہیں دیتے، لیکن کچھ لوگ کانا پھوسی کرتے سنائی دیئے کہ انکار کرنے والوں کو کئی طرح سے تادیبی کارروائی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ بہرحال طہ صاحب، جن کا تعلق حکمران قومی اسلامی محاذ سے ہے، اسلامی اصولوں پر مبنی ایک نئی تہذیب و تمدن کے احیاء اور اس مقصد کے لئے لوگوں کی جسمانی اور ذہنی تربیت کو اولین ضرورت قرار دیتے ہیں۔

سوڈان کی حکمران جماعت، قومی اسلامی محاذ نے اقتدار میں آنے کے بعد ملک کے تمام اداروں پر اپنی گرفت خاصی مضبوط کر لی ہے۔

پانچ ہزار آفیسرز پر مشتمل فوج کو ناپسندیدہ عناصر سے پوری طرح صاف کیا جا چکا ہے۔ تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد ہے۔ حکومت مخالف اساتذہ اور سرکاری ملازمین کو ہزاروں کی تعداد میں فارغ کر کے ان کی جگہ اپنی پسند کے لوگ لائے گئے ہیں۔ حفاظتی دستوں کے ہاتھوں مخالفین کی نظربندی معمول بن چکی ہے۔ یہاں تک کہ انہیں جیلوں میں بند کر دیا جاتا ہے اور عقوبت خانوں میں ایذائیں پہنچائی جاتی ہیں۔ بر طرف ہونے والے صدر، صادق المہدی بھی ان لوگوں میں شامل ہیں۔ عیسائیوں کو خاص طور سے پریشانی کا سامنا رہتا ہے جنہیں بائبل کی تعلیم دینے سے روکا جاتا ہے۔ اسلامی عوامی پولیس خرطوم اور دوسرے شہروں میں گشت کرتی ہے---- اور شراب پینے یا اس طرح کی غیر اسلامی حرکات پر بھاری جرمانوں اور قید کی سزائیں دی جاتی ہیں۔

ان حربوں کے پیچھے حسن الترابی کی سیاست کار فرما ہے، جو قومی اسلامی محاذ کے سربراہ اور سوڈان کی سب سے طاقتور شخصیت خیال کئے جاتے ہیں۔ نہایت صاف گو، فرنچ اور انگریزی میں روانی سے گفتگو کرنے والے حسن الترابی اپنے سیاسی عزائم کو معتدل انداز میں پیش کرتے ہوئے نیوز ویک سے کہہ رہے تھے کہ "سوڈان ترقی اور خود انحصاری کے لحاظ سے ایک نمونہ کے طور پر ابھر رہا ہے۔ ہمارے پاس پیسہ اور پروپیگنڈہ نہیں ہے---- لیکن ہم اپنے مصالحانہ طرز عمل سے دنیا کے سامنے ایک مثال پیش کر رہے ہیں جسے لوگوں کی خوشنودی حاصل ہے۔ کون ایسے لوگ ہیں جو یہ اثر قبول کر رہے ہیں۔ سوڈان کے لوگوں کا جہاں تک تعلق ہے تو ترابی ۱۹۹۲ء میں اٹاوہ، کینیڈا کے اپنے سفر کے دوران ایک سوڈانی کے ہاتھوں قاتلانہ حملہ سے بال بال زندہ بچے تھے۔ بہرحال مبصرین کا کہنا ہے کہ اس خوشنما چہرے کے پیچھے تعصب کی آگ بھڑک رہی ہے۔ "اسے اسلام کے نویں، دسویں صدی کے سنہرے دور کی یاد ستا رہی ہے جب اسلام ایک متحرک قوت تھا، جس کی سرحدیں کہیں ختم نہ ہوتی تھیں" خرطوم میں مقیم ایک مغربی سفارت کار کا کہنا ہے کہ "اس کے پیش نظر مسلم دنیا کی تمام حکومتوں کی جڑیں کھوکھلی کرنا ہے۔ چاہے اس کے لئے تشدد کا راستہ ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے"۔

ان مغربی سفارت کاروں کا کہنا ہے کہ سوڈان کی حکومت کئی طریقوں سے اس مقصد کو بروئے کار لانے میں کوشاں ہے۔ فلسطین کے انتہا پسند گروہ حماس اور ایران کی پشت پناہی سے قائم حزب اللہ سمیت کئی شدت پسند اسلامی گروہ سوڈان کو اپنا مرکز بنائے ہوئے ہیں۔ جن میں مصر، سعودی عرب اور دوسرے اسلامی ممالک کی حکومتوں کے خلاف گروہ شامل ہیں۔ سوڈان کی خیراتی دعوہ اسلامیہ نے مبینہ طور پر خوراک ظاہر کر کے صومالیہ کے جنگجو محمد فرح عدید کو ہتھیار مہیا کئے ہیں۔ مصر کا الزام ہے کہ سوڈان میں ایران کے سفیر، مجید کمال کے ان بنیاد پرست دہشت گرد افراد کے ساتھ گہرے روابط ہیں جو شمالی سوڈان سے مصر میں سیاحوں پر حملوں کے ذمہ دار ہیں۔ کمال کہتے ہیں کہ "مجھے سوڈان میں موجود اٹھارہ ہزار ایرانی سپاہیوں کا کمانڈر گردانا جاتا ہے۔ کیا آپ کو ایک ایرانی سپاہی بھی یہاں نظر آیا؟ یہ سب مغرب کا پھیلایا ہوا جھوٹا پروپیگنڈا ہے۔" تاحال سوڈان کا دہشت گرد سرگرمیوں میں براہ راست ملوث ہونے کا ثبوت تو کوئی بھی نہیں مل سکا، لیکن سفارت کار کہتے ہیں کہ حکومت کی سطح پر اس کام کے لئے چنداں امداد کی ضرورت نہیں۔ "چند سرپھروں کو بم بنانے اور سرحد پار اسلحہ پہنچانے کے لئے آخر کتنی بڑی رقم چاہیے ہوگی؟" ممکن ہے سوڈان کی حکومت کو یہ خرچ بھی برداشت نہ کرنا پڑتا ہو۔ ویسے بھی اسے مغرب سے ملنے والی امداد، جو ۱۹۸۹ء میں ایک بلین ڈالر تھی، کم ہو کر گذشتہ برس پچاس ملین ڈالر رہ گئی ہے۔ عالمی بینک آئی۔ایم۔ایف، افریقہ اور عرب ممالک سے بھی اسے کوئی امداد نہیں مل رہی۔ اس بندش کے ساتھ ساتھ جنگی کارروائیوں کے نتیجے میں ملک دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ تیل کی شدید قلت کے باعث بلیک مارکیٹ میں سات ڈالر فی گیلن تک اس کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ جو تھوڑا بہت پیسہ آ رہا ہے وہ جلا وطن سعودی شہزادہ عثمان بن لادن جیسے امیر انتہا پسند مسلمان فراہم کر رہے ہیں۔ عثمان قبل ازیں افغان مجاہدین کو مالی امداد مہیا کرتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ تو ایران نے بھی کہا جاتا ہے کہ کورا جواب دے دیا ہے کہ نقد ڈالر میں ادائیگی پر ہی تیل ملے گا۔

بیرونی امداد تک رسائی حاصل کرنے کے لئے سوڈان حکومت نے ان دنوں زیادہ شریفانہ طرز عمل ظاہر کرنے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ خرطوم میں ۱۹۸۹ء کی بغاوت سے اب تک درمیانی رات کا جو کرفیو نافذ تھا وہ اٹھا لیا ہے۔ عوامی دفاعی فوج کے کیمپ مغربی مبصرین کو دکھا کر ان اطلاعات کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہاں ایرانی گارڈ دہشت گردوں کو تربیت دے رہے ہیں یاد رہے کہ ان میں کوئی گارڈ دکھائی نہیں دیا۔ ترابی کہتے ہیں کہ "جو سیاسی افراد جیل میں ہیں ان کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں اور برطانیہ سے زیادہ مذہبی آزادی یہاں موجود ہے" لیکن سوڈان کو بدنام ہونے میں جو شہرت مل رہی ہے اسے وہ فخریہ انداز میں تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "اسلام دشمن پروپیگنڈے نے سوڈان کو مشہور ترین

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

نظامِ خلافت خدائی وعدے کی تکمیل ہے

(قسط اول)

غلبۂ دین کا تقاضا بھی اسی سے پورا ہو گا

ڈاکٹر اسرار احمد کے خطباتِ خلافت کا تمہیدی حصہ

مرتبہ: نثار احمد ملک

خطبہ مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا کہ "خطبات خلافت" کے آغاز میں ہی میں اپنی ایک ذاتی الجھن کا تذکرہ کرتا چلوں۔ آج سے جو موضوعات خطبات خلافت کے عنوان سے بیان ہوں گے ان موضوعات کو میں گزشتہ دو سالوں سے متعدد جلسہ ہائے عام اور دیگر محافل میں متعدد بار اجمالاً بیان کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ حال ہی میں ایک مہینے کے اندر اندر چار جگہ پر "خطبات خلافت" کے عنوان سے یہ موضوعات کسی قدر تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔

ان خطبات کا آغاز کراچی کے "خالق دینا ہال" سے ہوا ہے۔ لہٰذا بار بار انہی مضامین کو بیان کرتے ہوئے ایک الجھن ہوتی ہے۔ اس الجھن میں اضافہ اس وقت بہت زیادہ ہو جاتا ہے جبکہ میرے سامعین و ناظرین میں "تنظیم اسلامی" اور "تحریک خلافت" کے رفقاء و معاونین شامل ہوں۔ ان حضرات نے یہ باتیں مجھ سے بار ہا سنی ہیں۔ ان کے لئے یہ تکرار و اعادہ والا معاملہ ہے۔

جہاں تک قرآن اور احادیث کا تعلق ہے اس میں تو تکرار و اعادہ مطلوب ہے۔ جو شخص نماز پڑھتا ہے وہ بھی دن میں ۳۲ مرتبہ سورۂ فاتحہ کا اعادہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تسبیحات کا اعادہ بھی کرتا ہے۔ لہٰذا قرآن و سنت کے نصوص میں تو یہ تکرار و اعادہ مطلوب ہے۔۔

ماہرچہ خانہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

میں نے جو آیات شروع میں تلاوت کی ہیں ان میں سے پہلی سورۂ نور کی آیت نمبر ۵۵ ہے۔ "**وعداللہ الذین امنو منکم وعملوا الصالحات**" اللہ کا وعدہ ہے مسلمانوں میں سے ان لوگوں سے جو ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کریں گے "**لیستخلفنھم فی الارض**" کہ انہیں زمین میں لازماً خلافت عطا کرے گا۔ یہاں پر خلافت سے مراد مسلمانوں کی حکومت ہے۔ "**کما استخلف الذین من قبلھم**" جیسے کہ خلافت یا حکومت عطا کی تھی ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے۔ موجودہ امت مسلمہ ' امت محمدؐ ' ہے۔ جس سے ہمیں نسبت کا شرف حاصل ہے۔ ہم سے پہلے "بنی اسرائیل" امت مسلمہ تھی۔ سابقہ امت مسلمہ جو کہ معزول ہو گئی تھی لیکن اس کا وجود ابھی برقرار ہے۔ یہاں اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ہم نے انہیں بھی حکومت عطا کی تھی۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ "**یادودانا جعلنک خلیفہ فی الارض**" کہ اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ سابقہ امت مسلمہ میں حضرت طالوتؑ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کا دور جو کہ ایک سو برس پر محیط ہے' یہ سابقہ امت مسلمہ کا "خلافت راشدہ" کا دور ہے۔ اس مقام پر اس کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہ اے امت مسلمہ! تم میں سے جو ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کر دیں گے انہیں ہم لازماً خلافت عطا کریں گے جس طرح کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی۔

اس آیت مبارکہ کے حوالے سے یہ بات بھی نوٹ کر لیجئے کہ یہاں عربی زبان میں تاکید کا جو سب سے زیادہ موثر اور بلیغ اسلوب ممکن تھا وہ Repeat کیا گیا ہے۔ فرمایا: "**لیستخلفنھم** "لازماً انہیں خلافت عطا کرے گا۔ اس کے بعد بھی "یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ فرمایا: **ولیبدلنھم ولیمکنن لھم** "گویا یہ انتہائی تاکید کا اسلوب ہے جو اس آیت کریمہ میں اختیار کیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ایک ہی بات کو اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ دہرایا ہے۔ تو یہ بھی ایک تکرار ہے لیکن قرآن حکیم کی تکرار کی ایک عجیب شان ہے۔ ع ایک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں۔ ایک مضمون کو مختلف اسالیب سے بیان کیا جاتا ہے۔

" آگے فرمایا کہ **ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم** "اور ان کے اس دین کو تمکن عطا کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ یہی بات قرآن حکیم میں سورۃ المائدہ میں آخری دین کے لئے آئی ہے کہ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** "یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کی تکمیل کر دی۔ تمہارے لئے اپنی نعمت کا اہتمام فرما دیا اور تمہارے لئے اب اسلام کو تاقیام قیامت دین کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ متذکرہ بالا آیت میں فرمایا کہ وہ دین جسے اللہ نے پسند کیا ہے وہ مغلوب نہیں رہے گا بلکہ اسے غلبہ اور تمکن حاصل ہو گا۔

یہی بات تیسری مرتبہ یوں دہرائی "**لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا** " یعنی ان کی خوف کی حالت کو' جو اس وقت ان پر طاری ہے۔ امن میں بدل دے گا۔ سورۂ نور کی یہ آیات ۵ھ کے اواخر اور ۶ھ کے شروع میں نازل ہوئی تھیں۔ ۵ھ میں غزوہ احزاب ہوا تھا۔ بارہ ہزار کا لشکر آیا تھا۔ مدینہ منورہ کا کئی دن محاصرہ رہا۔ مسلمانوں پر شدید آزمائش کی گھڑی تھی۔ خود قرآن حکیم کہتا ہے کہ "**زلزلو زلزالا شدیدا**" یعنی ہلا مارے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ منافقین کا نفاق ان کی زبانوں پر آ گیا۔ گویا ان کا خبث باطن ظاہر ہو گیا۔ شکل یہ تھی کہ جیسے لق و دق صحرا میں ایک دیا روشن ہے جسے آندھیاں بجھانے کے لئے چل رہی ہیں۔ ہر وقت یہ خطرہ تھا کہ ابھی ہوازن کی طرف سے حملہ ہو جائے گا' ابھی نجد کے قبائل حملہ آور ہو جائیں گے' ابھی کہیں خیبر کے یہودی ہی نہ ٹوٹ پڑیں

اور ابھی کہیں جنوب کی طرف سے قریش چڑھ دوڑیں گے۔ ان حالات میں فرمایا کہ ان کی خوف کی کیفیت کو ہم امن سے بدل دیں گے۔

سورۂ نور کی مذکورہ بالا آیت مبارکہ کا یہ ٹکڑا بہت ہی اہم ہے۔ "**یعبدوننی لایشرکون بی شیئا**" جب میں انہیں غلبہ عطا کر دوں گا تو پھر وہ میری ہی بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی مسلمان چاہے خوف کی حالت میں ہی تھے لیکن بندگی تو اللہ تعالیٰ ہی کی کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ بندگی کو اس کے ساتھ کیوں ملحق کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ توحید اس وقت تک ناقص ہے جب تک اللہ کا دین غالب نہ ہو جائے۔ جسے قرآن میں کہا گیا کہ **یکون الدین کلہ للہ**" دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے۔ غیراللہ کی حاکمیت کی کاملا نفی ہو جائے۔ غیراللہ کی حاکمیت کا تصور ہی سب سے بڑا شرک ہے۔ سورۂ المائدہ میں آتا "ہے۔ **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک الظالمون ..... الفاسقون ..... الکافرون۔** " جب تک "نظام خلافت" قائم نہیں ہو جاتا تب تک افراد تو مواحد ہو سکتے ہیں لیکن نظام بہرحال مشرکانہ و کافرانہ ہی ہے۔ دراصل توحید کی تکمیل ہی اس وقت ہو گی جب یہ تین وعدے پورے ہو جائیں گے۔

" سورۂ نور کی آیت مبارکہ کا اختتام ہو رہا ہے کہ "**ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون**" اور جو اس کے بعد بھی کفر کرے گا وہ تو نہایت ہی سرکش لوگ ہیں۔ یہاں فاسق بعینہٖ ان معانی میں آیا ہے جس طرح سورۂ کہف میں ابلیس کو کہا گیا کہ "**کان من الجن ففسق عن امر ربہ**" کہ وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے خلاف سرکشی اختیار کی۔ گویا یہاں فسق سرکشی اور بغاوت کے معنوں میں آیا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں آیا ہے کہ جس نے اس کے بعد کفر اختیار کیا' اب یہاں کفر کا مفہوم بھی سمجھ لیا جائے۔ کفر دو معانی میں آتا ہے۔ ایک تو کفر اصطلاحی ہے یعنی اسلام کا انکار' توحید کا انکار' رسالت کا انکار یا ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرنا۔ جبکہ ایک کفر وہ ہے جو شکر کے مقابلے میں آتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ "**لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید**" اگر میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے' قدردانی کرو گے تو میری طرف سے اضافہ ہو گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو پھر یاد رکھو کہ میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ بالکل اسی طرح سورۂ لقمان میں بھی کفر شکر کے مقابلے پر آیا ہے۔ چنانچہ وہاں فرمایا گیا کہ "**ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان اللہ غنی حمید**" جس نے شکر کی روش اختیار کی تو اس نے گویا اپنے ہی بھلے کے لئے اور جس نے کفران نعمت کو اپنا وطیرہ بنایا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی احتیاج ہی نہیں ہے کہ کوئی اس کی حمد و ثنا کرے۔ وہ تو اپنی ذات میں ہی متصف ہے۔

سورۂ نور کی متذکرہ بالا آیت میں کفر کے یہ دونوں معانی مراد ہیں۔ جب اسلام کا غلبہ ہو جائے گا پھر بھی جو لوگ کفر پر اڑے رہے تو گویا وہ تو شیطنت کا ہیں۔ اس وقت تو کوئی عذر ہو سکتا ہے کہ مجبوری ہے' حالات کا دباؤ ہے۔ ظاہربات ہے کہ جب کفر کا غلبہ ہو گا تو دین کا دامن فقط اصحاب ہمت ہی تھام کر رکھیں گے۔ یہی وہ لوگ ہوں گے جو نظام باطل کے ساتھ ٹکرانے کی ہمت رکھتے ہوں گے۔ لیکن غلبہ کے بعد اکثریت کے لئے دین پر چلنا آسان ہو جائے گا۔ غلبہ کے بعد بھی جو کفر پر اڑا رہے تو گویا اس میں سرے سے کوئی خیر ہے ہی نہیں۔

اس کا ایک دوسرا مفہوم بھی ہے جو زیادہ تر ہمارے متعلق ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے اتنے پختہ وعدوں کے باوجود بھی اگر آپ کمر ہمت نہیں باندھتے تو گویا ہمارے وعدوں کی بڑی ہی ناقدری کر رہے ہو۔ ایمان اور عمل صالح کی شرائط پوری کرو گے تو ہمارا تم سے پختہ وعدہ ہے کہ تمہیں حکومت و خلافت عطا کریں گے اور یوں جب تمہارے دین کو غلبہ عطا کریں گے تو پھر وہ بات نہیں ہو گی کہ ؎

وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

اس آیت مقدسہ میں جو وعدے ہیں وہ مشروط ہیں۔ نام کے مسلمانوں سے اللہ کا وعدہ نہیں ہے۔ اگر ایمان و عمل صالح کا حق ادا کرو گے تو تمہیں خلافت ضرور عطا کروں گا۔

سورۂ نور کی اس آیت زیر بحث کی اہمیت کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ ہمارے ہاں کچھ لوگ "**خلفاء ثلاثہ**" کی خلافت کے انکاری بھی ہیں۔ یہ آیات درحقیقت ان کے سارے دعوؤں کی نفی کامل کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی معرکۃ الاراء کتاب "(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء)" میں جن آیات پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے ان میں سے پہلی آیت یہی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اتنے پختہ وعدے ہیں تو ان وعدوں کا مصداق کوئی خارج میں بھی ہو گا کہ نہیں ہو گا؟ اگر آج تک اس آیت کا خارج میں کوئی مصداق نہیں ہے تو گویا اللہ کا وعدہ معاذاللہ' اب تک جھوٹا ثابت ہوا ہے۔ اگر وہ خلافت ہے تو قرآن کہتا ہے کہ یہ میں انہی کو دوں گا جو ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کریں گے۔ گویا یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے مصداق کامل تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ' حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہوا ہے ورنہ یہ لوگ تو اس آیت کو قرآن حکیم سے اب تک کھرچ چکے ہوتے۔ اس آیت کا اب تک وجود بھی باقی نہ رہنے دیتے۔

اب چند باتیں سورۂ صف کی آیات آٹھ تا تیرہ کے متعلق عرض کرنی ہیں۔ ان آیات میں سے بھی پہلی آیت بہت ہی اہم ہے۔ چنانچہ اس پہلی آیت' جو کہ شروع میں تلاوت کی گئی ہے' کے متعلق دو باتیں بہت اہم ہیں جن کو میں یہاں کسی قدر وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا : "**یریدون لیطفئوا .....ولو کرہ الکافرون**" پہلی بات یہ ہے کہ "**یریدون**" کا فاعل کون ہے۔ یہ بات کن کے بارے میں کہی جا رہی ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ سورۂ صف میں اس سے پہلے سابقہ امت مسلمہ یعنی یہود کا تذکرہ آ رہا ہے۔ انہوں نے سیدنا موسیٰؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا اور حضرت عیسیٰ کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا تھا۔ اس کے علاوہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ یہ گویا کہ سابقہ امت مسلمہ کے تین ادوار کا ذکر ہے جو سورۂ صف کے پہلے رکوع میں انتہائی جامعیت کے ساتھ آ گیا۔ گویا یہاں یہود کی طرف اشارہ ہے۔ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ اس آیت کا ترجمانی کرتا ہے مولانا ظفر علی خان مرحوم کا یہ شعر کہ

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یہ بات کیوں کہی گئی کہ وہ اللہ کے نور کو گل کرنا چاہتے ہیں؟ اس وجہ سے کہ قرآن میں مختلف مقامات پر صراحت موجود ہے کہ اسلام کے جو دشمن اس وقت جزیرہ نماء عرب میں موجود تھے ان میں ایک تو تھے مشرکین مکہ اور ان کے سرخیل تھے قریش مکہ۔ لیکن

یہ بہت بہادر اور جری لوگ تھے۔ سامنے سے حملہ کرتے تھے۔ جبکہ دوسرے دشمن یہود تھے۔ یہ انتہائی بزدل تھے۔ ان کے بارے میں سورۂ حشر میں آیا ہے کہ یہ کبھی کھلے میدان میں مقابلہ نہیں کریں گے۔ ہاں یہ چھپ کر' قلعوں کے اندر سے پتھراؤ کریں گے۔ ابوجہل نے اپنے دین باطل کے لئے اپنی گردن کٹوائی۔ ان میں اس کی ہمت نہیں ہے۔ یہ صرف منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ سوائے سازش کے ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ " **واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون** " یعنی اللہ تعالیٰ تو اپنے نور کا اہتمام فرما کر رہے گا چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو! یہی آیت "معمولی فرق کے ساتھ سورۂ توبہ میں بھی آئی ہے۔ **یریدون ان یطفئوا نوراللہ بافواھہم ویاب اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون** "اس مقام پر بھی تذکرہ یہود کا ہی ہے۔ میں اس آیت پر زور اس لئے دے رہا ہوں کہ مجھے علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آرہا ہے۔

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

بعینہٖ یہی کیفیت آج یہود کی ہے۔ آج صیہونیت جس طرح اسلام کے اس نور کو بجھانے کی فکر میں ہے اور جس تیزی سے وہ اپنے منصوبے روبعمل لا رہے ہیں ان کا اندازہ اس سے لگائیے کہ دنیا کی "Sole Suprem Power" کے سر پر یہود سوار ہیں۔ انہوں نے ہی پوری دنیا میں "اسلامک فنڈامنٹلزم" کا ہوا کھڑا کیا ہے۔ یہ سب درحقیقت اسی آیت مبارکہ کے بین السطور میں پڑھ لیجئے۔

" اس کے بعد فرمایا **ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون** " وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول کو الھدیٰ یعنی قرآن حکیم اور دین حق دے کر' تاکہ غالب کردے اس کو کل کے کل دین پر یا پورے نظام زندگی پر یا تمام ادیان باطلہ پر۔ اس آیت مبارکہ میں نبی اکرم کا مقصد بعثت بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ اہم ہے کہ جب تک نبی اکرمؐ کے مقصد بعثت کا صحیح صحیح فہم نہیں ہو گا نہ سیرت النبی سمجھ میں آسکتی ہے نہ ہی قرآن حکیم کا گہرا فہم و ادراک حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ بات میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالے سے کر رہا ہوں۔ انہوں نے اس آیت مبارکہ کو پورے قرآن کا عمود قرار دیا ہے۔

کسی بھی بڑی شخصیت کی کاوشوں کا اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ بات معین ہونی چاہئے کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ تب ہی تو آپ کچھ تجزیہ کریں گے کہ وہ اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے کتنے ناکام ہوئے' انہوں نے یہ ہدف کس طور سے حاصل کیا۔

نبی اکرمؐ کا مقصد بعثت صرف تبلیغ نہیں ہے بلکہ غلبہ دین حق ہے۔ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق موجود ہے۔ اگر فقط تبلیغ کرنی ہوتی تو شاید حضور ﷺ کبھی ہاتھ میں تلوار نہ لیتے۔ لیکن غلبہ دین حق کے لئے تلوار ہاتھ میں لئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اس حقیقت کے منکشف ہو جانے سے تو ساری بات ہے۔ تبلیغ تو بدھ مت کے بھکشو بھی کرتے رہے ہیں۔ تبلیغ آپ جس سطح پر کر رہے ہیں اس میں کسی تصادم کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر یہ عیسائی مشنری تبلیغ کے لئے کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔ تبلیغ کے کچھ اور تقاضے ہوتے ہیں جبکہ غلبہ دین کے کچھ اور تقاضے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت ہی غلبہ دین ہے۔ اسی لئے فرمادیا گیا کہ یہ مشرکوں کو بہت ہی ناگوار ہو گا۔ یہ بات بھی واضح ہونی چاہئے کہ مشرک کون ہے؟ ہر وہ شخص اور ادارہ جو دین حق کے مقابلے پر کوئی اور نظام آپ کے سامنے رکھے وہ مشرک ہے۔ ہم نے شرک کو صرف چند عقائد سے منسلک کر دیا ہے۔ بقول علامہ اقبال۔

زندہ قوت تھی زمانے میں یہ توحید کبھی
اور اب کیا ہے فقط اک مسئلہ علم کلام

(جاری ہے)

لاہور میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطبات خلافت کے سلسلے میں جو چار لیکچر دیئے وہ دوسرے مقامات کے مقابلے میں زیادہ مفصل و مکمل تھے۔ انہی کو ٹیپ سے اتار کر حسب ضرورت قطع و برید کے بعد پیش کیا جائے گا۔ پہلی قسط ان صفحات میں دی جا رہی ہے اور ارادہ ہے کہ ان خطبات کی تکمیل تک اقساط کا سلسلہ ان شاءاللہ منقطع نہ ہو گا

میں بھی حاضر تھا وہاں

لاہور کے کارکنان جماعت کا ایک اجتماع

نثار احمد ملک

حق و باطل کی محاذ آرائی میں "دعوت" کم اور "سیاست" زیادہ ہو جاتی ہے

جس طرح قوموں اور تہذیبوں کی زندگی زوال سے دوچار ہوتی ہے اسی طرح تنظیموں اور جماعتوں کو بھی فرسودگی کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ تنظیمیں اور جماعتیں اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے کچھ اصول و ضوابط کی بنیاد پر معرض وجود میں آتی ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جماعتوں سے وابستہ افراد ان اعلیٰ مقاصد کو فراموش کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنے اصول و ضوابط میں کتر بیونت کا سلسلہ جاری کر دیتے ہیں۔ یوں جماعتیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں لیکن ان جماعتوں میں بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے اخلاص اور بے لچک وابستگی سے ان جماعتوں کا کم سے کم رسمی وجود اور نام ضرور برقرار رہتا ہے۔

بیسویں صدی کی عالم اسلام کی عظیم اسلامی تحریک "جماعت اسلامی" کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔ اگر آج سے چالیس سال پہلے تک کی جماعت کو سامنے رکھا جائے' اس کے مقاصد' اس کا لٹریچر اور اس سے وابستہ افراد کی زندگیوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو بلا شبہ اسے عظیم تحریک کہا جاسکتا ہے لیکن وقت کا دھارا بہت تیزی سے بہہ رہا ہے اور اس بہاؤ کے ساتھ ہی یہ عظیم تحریک بھی ایک "سیاسی" جماعت میں بدل کر رہ گئی۔ وہ اعلیٰ مقاصد کتابوں اور منشوروں میں تو موجود رہے لیکن سینوں میں اس کے لئے درکار حدت و شدت نہ رہی۔ الفاظ تو وہی بلند بانگ رہے لیکن کردار ان الفاظ کے سانچے میں نہ ڈھل سکے۔ افراد تو موجود و وابستہ رہے لیکن اجتماعیت کا رنگ "صبغۃ اللہ" میں نہ رنگا جاسکا۔

اس سارے زوال و انحطاط کے باوجود آج بھی بہت سے ایسے افراد جماعت میں موجود ہیں جن کی وجہ سے جماعت کا فکر محفوظ ہے۔ ہمارے ایک کرم فرما جو قرآن اکیڈمی کی مسجد "جامع القرآن" کے مستقل نمازی ہونے کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی کے بہت ہی مخلص اور پرانے رکن ہیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں مال میں بھی وسعت عطا فرمائی اور اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لئے اپنا مال لٹانے کی توفیق بھی ارزانی فرمائی ہے۔ راقم تو انہیں غائبانہ طور پر عرصہ چار سال سے جانتا ہے لیکن ان سے براہ راست تعارف دو ہفتے

قبل ہوا۔ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کو جنوری ۹۴ء میں عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں ہم نماز جمعہ کے لئے منصورہ چلے گئے۔ منصورہ میں ہی ان سے تعارف بھی ہوا۔ اگلے جمعہ کو منصورہ میں ہی ضلع لاہور کے کارکنان جماعت کا اجلاس تھا۔ ہمارے ان کرم فرمانے ہمیں دعوت دی کہ آکر جماعت کو قریب سے دیکھیں تاکہ جماعت کو سمجھنے میں آسانی ہو اور غلط فہمیاں رفع ہو جائیں۔

راقم اپنے ایک رفیق تنظیم اسلامی دوست کی معیت میں ۲۱ جنوری ۹۴ء کو منصورہ میں حاضر ہوا جو جماعت کا صدر دفتر ہے۔ اگرچہ جماعت کے اجتماعات میں بارہا شریک ہوا ہوں اور یہ کوئی پہلا موقع نہ تھا تاہم یہ اجتماع اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد تھا لہٰذا وہاں جو کچھ دیکھا' اس کے حوالے سے چند سطور سپرد قلم کر رہا ہوں۔

پہلا تاثر وہاں ذہن پر یہ مرتب ہوا اور ظاہر ہے کہ وہ جماعت کے اکابرین کی تقریریں سننے کے بعد مرتب ہوا تھا کہ ان کے اخلاص میں کوئی شک نہیں لیکن ایک بات جو میں نے شدت سے محسوس کی' یہ ہے کہ جماعت کے اکابرین اپنی پچاس سالہ محنت شاقہ کو بظاہر بے نتیجہ دیکھنے کے باوجود ناکامی کے اصل سبب سے بہرحال آنکھیں چراتے ہیں۔ جماعت اسلامی کے اکابرین اپنے کارکنوں کے پست حوصلوں کو سہارا دینے کے لئے جماعت اسلامی کی چھوٹی چھوٹی کامیابیوں کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ نیز ان کامیابیوں میں دوسری جماعتوں اور اشخاص کے کردار کو سرے سے گول کر جاتے ہیں۔

مولانا جان محمد عباسی نائب امیر جماعت اسلامی نے اپنی تقریر میں حالیہ شکست کے پس منظر میں جماعت اسلامی کی کامیابیوں کی داستان سنا ڈالی۔ ان کی باتیں اصولی طور پر صحیح تھیں کہ جماعت اسلامی نے واقعتاً عظیم لٹریچر دیا جس نے جدید پڑھے لکھے نوجوان کو لادینیت و دہریت کے صحرائے تیہ میں بھٹکنے سے بچایا ہے۔ اسلام ایک سیاسی اور معاشرتی تحریک کا نام ہے' یہ شعور بھی مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کا کارنامہ ہے۔ اسی طرح دین کا حرکی تصور بھی جماعت کے لٹریچر سے پیدا ہوا۔ جماعت اسلامی نے ملک خداداد پاکستان میں عریاں سیکولرزم کا راستہ بھی روکا ہے لیکن اس کام میں جماعت اسلامی کے علاوہ دوسری شخصیتوں اور جماعتوں کا بھی حصہ ہے جس کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ ان تمام باتوں میں مبالغے کا رنگ نہیں ہونا چاہیے کہ روس کی عظیم طاقت بھی ہم نے نیست و نابود کی ہے اور جہاد افغانستان بھی فقط ہمارا ہی مرہون منت ہے۔ کشمیر کی تحریک بھی ہمارے ہی دم قدم سے ہے اور امریکہ کو بھی ہم ہی تباہ و برباد کریں گے!

مولانا جان محمد عباسی نے ایک اور بڑی ہی دلچسپ بات کہی۔ اس ذکر میں کہ ہم نے اس ملک کو دستور اسلامی عطا کیا ہے' انہوں نے دستور اسلامی کے مطالبے اور پھر قرارداد مقاصد کو تنہا اپنا کارنامہ بتایا اور دلچسپ بات یہ تھی کہ بقول مولانا عباسی "ہم نے یہ کارنامہ اس وقت سرانجام دیا جب ہم ابھی سیاست کے میدان میں بھی نہیں کودے تھے"۔ اس دعوے میں دلچسپی کا پہلو یہ ہے کہ مولانا اس بات کو بھول گئے کہ دینی جماعتوں اور افراد نے ان کی اس کال پر کان ہی اس لئے دھرا تھا کہ جماعت اسلامی اس وقت تک سیاست کی وادی میں ان کی حریف نہیں بنی تھی۔ جب جماعت اسلامی نے دو ٹوکی سیاست میں قدم رنجہ فرمایا تو دینی جماعتیں اور گروہ اس کے معاون و مددگار نہ رہے بلکہ حریف و مدمقابل تھے۔ یہی بات آج تنظیم اسلامی کہہ رہی ہے کہ اقتدار کی جنگ سے الگ ہو کر اگر آج بھی جدوجہد کی جائے تو ہمارے کل کے حریف آج دوست اور معاون بن سکتے ہیں۔

جہاں تک تعلق ہے ان کارناموں کا کریڈٹ تن تنہا لینے کا تو جماعت کے زعماء کی یہ بات درست نہیں ہے۔ ختم نبوت کی تحریک چلی تو جماعت کے علاوہ دوسرے مذہبی گروہ زیادہ موثر تھے۔ اگر فوجی عدالت نے مولانا مودودیؒ کو سزائے موت سنائی تو ساتھ ہی مولانا عبدالستار نیازی صاحب کو بھی سنائی تھی۔ اگر جماعت اسلامی نے دستور اسلامی کا مطالبہ اسمبلی سے باہر کیا تو اسمبلی میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی بھاری بھرکم آواز موجود تھی اور اسمبلی سے باہر ان کی پشت پر دیوبندی مکتبہ فکر کی پوری طاقت بھی تھی۔

اس اجتماع میں ایک اور بات کا بھی شدت سے احساس ہوا۔ وہ یہ کہ جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی کی بنیادی فکر میں اب بھی "کیفیت" کا فرق ہے "کمیت" کا نہیں۔ اپنے رفقاء کے حوصلے بلند رکھنے کے لئے زعماء جماعت بھی یہی بات فرما رہے تھے کہ اللہ کے دین کے لئے محنت کرنے کا کام ایسا ہے جس میں انسان کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ دنیا کے اور جتنے کام بھی انسان شروع کرتا ہے ان میں ناکامی و کامیابی دونوں کے امکانات ہوتے ہیں لیکن اللہ کے دین کے غلبہ کا کام وہ مقدس کام ہے جس میں ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ بندۂ مومن کی اصل کامیابی تو اخروی ہے۔ دنیا کی کامیابی تو تب ہی ہوگی جب اللہ چاہے گا۔ زعماء جماعت کی گفتگو سن کر مزید شرح صدر حاصل ہوا کہ امیر تنظیم اسلامی مدظلہ جو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہمارا "نصیب العین" اللہ کی رضا کا حصول ہونا چاہیے تاکہ اپنی محنتوں کا اثر نہ دیکھ کر بھی ہم مایوس نہ ہوں' تو بالکل صحیح بات ہے۔ ورنہ عمر بھر کی کاوشوں کو خاک میں ملتا دیکھ کر مایوسی کے گھٹاٹوپ اندھیرے سوہان روح بن جائیں۔

اس فکری اشتراک کے باوجود بھی یہ اختلافی نقطہ زیادہ اہم ہے کہ ہمیں اپنی فکر کو صحیح رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے منہج پر بھی نظر رکھنا چاہیے۔ اس لئے کہ اس دنیا میں ہماری محنتوں کا ثمر صحیح منہج اختیار کرنے پر حاصل ہوگا۔ جب ہم اپنی دنیاوی ناکامیوں کے اسباب

(باقی صفحہ ۶ پر)

بقیہ سوڈان

ممالک کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ انہوں نے سوڈان کو دہشت گرد قرار دے کر لوگوں میں ہمارا خوف پیدا کر دیا ہے۔ ہمارے لئے یہ کوئی گھاٹے کا سودا نہیں"

بعض سوڈانی خوف کے علاوہ بڑھتی ہوئی بے اطمینانی کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ خرطوم یونیورسٹی سے' جسے حکومت مخالف جذبات کا مرکز کہا جاتا ہے' حال ہی میں فارغ التحصیل ایک نوجوان آرکیٹکٹ کا کہنا تھا کہ ترابی ایک انتہائی ذہین شخص' منجھا ہوا سیاستدان مگر جھوٹا آدمی ہے۔ یہ لوگ اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔" لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جلد ہی قومی اسلامی محاذ کی اقتدار پر گرفت ڈھیلی پڑنے والی ہے۔ خوف اور پچھلی حکومتوں کی ناکامیوں کے باعث حزب اختلاف کہیں گہری زمین کے اندر دھنس چکی ہے۔ غیر قانونی قرار دی گئی سابق کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ' محمد ابراہیم نجود کا کہنا تھا کہ ہر شخص جانتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔ جھوٹ اور کامیابی کے پر فریب دعوے' لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس حکومت کے خلاف لوگ اٹھ بھی کھڑے ہوں تو اس کی جگہ لینے کے لئے یہاں کون ہے؟ وہی پرانے سیاستدان' جنہوں نے ملک کو بدنام کر رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ آگے نہیں آتے۔" بے حسی کے اس عالم میں ترابی کو اپنے انقلاب کو آگے بڑھانے کا بہرحال ایک اچھا موقع مل گیا ہے۔

(نیوز ویک' ۱۰ جنوری ۱۹۹۴ء)

تو شاید مایوسی کے اس دور میں روشنی کی کوئی کرن نظر آسکے۔

بعد از نماز عصر معاونین سے تعارفی نشست ہوئی۔ اس تعارفی نشست میں جنرل صاحب نے فرمایا کہ تحریک خلافت میں شامل ہونے والے معاونین کو چاہیے کہ تحریک کو سمجھنے کے لئے اسکا لٹریچر پڑھیں ورنہ صرف معاونت فارم بھر دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

بعد از نماز مغرب فوجی فرٹیلائزر میں جنرل صاحب کے اعزاز میں محترم جناب شیخ وحید صاحب نے عشائیہ کا اہتمام کیا تھا۔ کھانے سے پہلے جناب فرحان کریم' جناب کرنل امان اللہ اور چند دوسرے اصحاب شیخ وحید صاحب کے گھر ہی تشریف لے آئے تھے۔ جنرل انصاری صاحب نے ان معزز حضرات کے سامنے تحریک خلافت کا تعارف' اس کے قیام کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے سابقہ تجربے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ الیکشن کے عمل سے انقلاب نہیں آسکتا۔ انقلاب صرف اور صرف اسوہ رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اور ان ہی مراحل سے گزر کر آسکتا ہے جن سے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے جان نثار صحابہ کو گزرنا پڑا۔ تحریک خلافت ایک غیر سیاسی رجسٹرڈ ادارہ ہے۔ یہ تحریک مروجہ سیاسی نظام میں فریق نہیں بنتی۔ نہ ہم امیدوار کھڑے کرتے ہیں اور نہ ہی پارٹی پالیسی کے تحت کسی امیدوار کی حمایت یا مخالفت کرتے ہیں۔ پر تکلف کھانے کے دوران معزز میزبان اور ان کے ساتھیوں نے جنرل انصاری صاحب سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب و واقعات کے بارے میں سوالات کئے جن کے جنرل صاحب نے نہایت معلومات افزاء اور مغربی پاکستان میں اس وقت کی فوجی اور سیاسی قیادت کے رویئے کے بارے میں بتایا۔OO

فرمودۂ اقبال

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفتہً پیش کیجیے۔
دورانِ ماہِ رمضان اہل و عیال اور اعزّہ و اقارب کے ساتھ اجتماعی مطالعہ کیجیے

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا"
(البقرہ: ۱۸۵)

گویا یہ قرآن حکیم کے ساتھ ذہنی اور قلبی تعلق کی تجدید کا مہینہ ہے!

اِنْ شَاءَ اللّٰہ العزیز ——— اس سال

جامع القرآن، قرآن اکیڈمی،
۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور میں

نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن
کے فرائض

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور، خود ادا کریں گے

محدود تعداد میں بیرونی حضرات کے لیے بھی بندوبست ہوگا۔
خواہشمند حضرات فوراً رابطہ فرمائیں

ناظم اعلیٰ، مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

(فون: 856003)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

تحریکِ خلافت پاکستان

کے آغاز کا مقصد

○

۱) پاکستان کے مسلمان عوام میں وہ شعور بیدار کرنا جو دین کی تعلیمات پر مبنی ہو۔

۲) پاکستان کے عوام تک یہ پیغام پہنچانا کہ نظام خلافت کیا ہے' اس کی ضرورت کیوں ہے اور یہ کیونکر برپا کیا جا سکتا ہے۔

۳) نظام خلافت کے قیام کی تحریک کے لئے پاکستان کے مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنا۔

۴) معاشرے کے موجودہ نامنصفانہ اور استحصالی نظام کی گمراہیوں اور خرابیوں کی جانب عوام کو متوجہ کرنا۔

۵) نظام خلافت کی برکات سے پاکستان کے عوام' مسلم و غیر مسلم سب کو روشناس کروانا۔

اگر آپ تحریک خلافت پاکستان کے درج بالا مقاصد سے اتفاق رکھتے ہیں تو آگے بڑھیے اور درج ذیل پتہ پر ایک خط لکھ کر تحریک خلافت سے متعلق لٹریچر مفت طلب فرمائیے۔

مرکزی دفتر تحریک خلافت پاکستان۔ خلافت بلڈنگ ۴/اے مزنگ روڈ لاہور۔ 54000

فون: 358970-311668